بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۸

اگست ۲۰۱۷ء

ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ	THE ASHRAFIA MONTHLY	قیمت عام شمارہ: 25 روپے
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور	Mubarakpur. Azamgarh	سالانہ: 250 روپے
اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴	(U.P.) India. 276404	

چیک اور ڈرافٹ بنام مدرسہ اشرفیہ بنوائیں		سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے
	کوڈ نمبر —— 05462	دیگر بیرونی ممالک
	دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149	20 $ امریکی ڈالر
	الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092	15 £ پونڈ
	دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــــــمولات

اداریــــــــــہ	آہ حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی مبارک پوری علیہ الرحمۃ	مبارک حسین مصباحی	۳

-------------تحقیقات-------------

فقہی تحقیق	کفر لزومی اور کفر التزامی: فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں	مفتی مطیع الرحمٰن مضطرؔ رضوی	۸

-------------فقہیات-------------

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۳

-------------نظریات-------------

فکـــــر امروز	ہم اور ہمارے زوال کے اسباب	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	۱۵

-------------اسلامیات-------------

شعاعیں	معاشرے میں اخلاق و آداب کا فقدان	محسن رضا ضیائی	۱۷
اسلامی اقدار	اسلام اور خدمتِ خلق: ایک سرسری جائزہ	مولانا محمد اختر علی واجد القادری	۱۹

-------------ترجیحات-------------

دینی تربیت	زائرینِ حرمین شریفین اور ان کی ذمہ داریاں	حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی	۲۷

-------------شخصیات-------------

انــــوارِ حـیات	مفتی محمد عمر الدین ہزاروی کی تصنیفی خدمات	خرم محمود	۳۰

-------------تنقیدات-------------

آئیـــنۂ وطن	فتنۂ قادیانیت اور علامہ فضل احمد لدھیانوی	مولانا صابر رضا رہبر مصباحی	۳۲

-------------بزمِ دانش-------------

فکر و نـــظر	مدارسِ اسلامیہ کے فارغین اور ان کی تدریسی ذمہ داریاں	مولانا ناظم علی مصباحی / مفتی ساجد رضا مصباحی	۴۱

-------------ادبیات-------------

نــقــد و نــظــر	امتناع النظیر فارسی / اردو	تبصرہ نگار: محمد طفیل احمد مصباحی	۴۶
خـیابانِ حـرم	نعت و نظم	شمسی قریشی / ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر	۴۸

-------------وفیات-------------

سفرِ آخرت	مولانا اعجاز احمد مصباحی کی رحلت / الجامعۃ الاشرفیہ میں تعزیتی نشست / استاذ الشعرا نازاںؔ فیضی گیاوی	۴۹

-------------مکتوبات-------------

صدائے بازگشت	سید شمیم احمد گوہر مصباحی / صابر رضا رہبر مصباحی / صادق رضا مصباحی / محمد اختر علی واجد القادری	۵۲

-------------سرگرمیاں-------------

خیر و خبر	مبارک پور میں مدرسہ فیضانِ مدینہ کا سنگ بنیاد / جامعہ اسلامیہ میرا روڈ میں جشنِ ولادتِ امام احمد رضا	۵۵

آہ! حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی مبارک پوری علیہ الرحمہ

ولادت: ۱۵؍ جون ۱۹۴۰ – وصال: ۲۷؍ جولائی ۲۰۱۷ء

مبارک حسین مصباحی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ذمہ دار استاذ حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ ۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ/ ۲۷؍ جولائی ۲۰۱۷ء کو شام ۶؍ بج کر ۳۵؍ منٹ پر انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مبارک پور میں موجود رہنے کی صورت میں ہم ہر جمعرات کو شام کے وقت اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کی قبرِ انور پر فاتحہ خوانی کے لیے ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ اس دن بھی ہم فاتحہ پڑھ کر واپس آرہے تھے، روڈ ویز پر پہنچے تو محب گرامی وقار حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ کی موبائل پر کال آئی کہ مبارک بھائی کچھ معلوم ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ بھائی کیا ہوا، آپ فرمائیے! انھوں نے اسی وقت ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب کا قریب آدھا گھنٹہ پہلے وصال پر ملال ہو گیا۔ ہم نے انتہائی افسوس کے ساتھ کلمۂ استرجاع پڑھا، یہ سنتے ہی ہم نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ بائک روکو، پھر ہم نے حضرت مفتی صاحب سے انتہائی غم کے ساتھ عرض کیا، اب کیا ہونا چاہیے؟ انھوں نے کہا کہ اگر ہو سکے تو آپ وہاں چلے جائیے۔ ہم نے عرض کیا: اب تو ہم اشرفیہ کے قریب پہنچ چکے ہیں، مغرب کی نماز بھی ادا کرنی ہے، ان شاء اللہ بعد میں چلا جائے گا۔

ہم جامعہ اشرفیہ پہنچے، نمازِ مغرب کے بعد اور بھی چند اساتذۂ اشرفیہ سے اس الم ناک خبر کا ذکر ہوا۔ سب نے غم و اندوہ کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ ہم نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ ان شاء اللہ اب عشا کی نماز کے بعد چلیں گے۔

ہم لوگ حضرت کی قیام گاہ پر پہنچے باہر بھی بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، متعدّد حضرات سے مصافحہ ہوا اور پھر ہم لوگوں کو لے کر چند لوگ اندر گئے، حضرت ایک تخت پر انتہائی سکون کے ساتھ دراز تھے، دونوں طرف قدرے فاصلے سے برف لگا ہوا تھا، پنکھے بھی چل رہے تھے، چہرۂ انور پر تازگی اور خوش بختی کے اثرات نمایاں تھے، لگتا تھا کہ حضرت ابھی بول پڑیں گے۔ ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی موقع کے لیے فرمایا تھا۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں موت آید تبسم بر لب اوست

ہم لوگوں نے کھڑے ہو کر کچھ تلاوت کی درود شریف پڑھا اور ان کی روحِ پر فتوح کو ایصال ثواب کیا اور اس کے بعد ہم باہر آ گئے، حضرت کے تعلق سے متعدّد حضرات سے گفتگو ہوئی، وہیں حضرت کے دونوں صاحب زادگان محترم شکیل احمد صاحب اور برادرم محمد راشد صاحب سے ملاقات ہوئی، ماشاء اللہ دونوں ہی سنجیدہ اور بلند اخلاق ہیں۔ حضرت قریب دس روز پہلے اشرفیہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے، اس دوران متعدّد بار حضرت کی عیادت کے لیے ہم لوگ حاضر ہوئے، ہم نے بھی حضرت کی صحت و عافیت کے لیے دعائیں کیں اور حضرت سے بھی ہم نے دعاؤں کے لیے درخواست کی۔ فرزندِ خورد نے بتایا کہ حضرت اشرفیہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھے، ۱۸؍ جولائی ۲۰۱۷ء کو بھائی جان کی تین بچیوں کی بارات آنا تھی، اس لیے اس موقع پر ہم حضرت کو گھر لے آئے تھے۔ انھوں نے بتایا، حضرت کا مسلسل علاج چل رہا تھا، رات کو دوا کھا کر کافی دیر سے سوئے، ہم لوگوں سے گفتگو بھی فرمائی تھی۔ صبح کو جب ہماری بھتیجی بیدار کرنے کے لیے آئیں، ہم نے کہا کہ ابو رات میں دیر سے سوئے تھے، ابھی سونے دو، خیر اس کے بعد قریب ۱۰؍ بجے بیدار کیا گیا تو حضرت نے بمشکل تمام آنکھیں کھولیں، ہم نے سمجھ لیا کہ حضرت کا شوگر بہت لو ہو گیا ہے۔ ہم نے فوراً خون چیک کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب کو بلایا، انھوں نے خون لیا اور جا کر فرمایا کہ ابھی باضابطہ رپورٹ تو تیار نہیں ہوئی ہے، مگر اتنا معلوم ہو گیا ہے کہ شوگر بہت کم ہو گیا ہے، آپ اسی وقت انھیں کچھ میٹھا کھلائیے، ہم نے چینی گھول کر انھیں پلائی، تھوڑی دیر کے بعد طبیعت نارمل ہونے لگی، ہم نے ناشتے کو دریافت کیا، حضرت نے اثبات میں سر ہلایا، ہم نے ناشتہ کرایا اور پھر سب کچھ حسبِ سابق ہو گیا۔

شام کے وقت پھر طبیعت مضمحل ہوئی، اس وقت حضرت مولانا احمد رضا مصباحی کی اہلیہ، حضرت کی چھوٹی صاحب زادی اور دیگر چند عورتیں سورہ یٰسین شریف کی تلاوت کر رہی تھیں، حضرت کی اہلیہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاے صحت کر رہی تھیں، اس وقت مردوں میں حضرت کے داماد جناب ماسٹر احمد ندیم استاذ شعبۂ پرائمری، جامعہ اشرفیہ، حضرت کے حقیقی بھانجے ماسٹر زبیر احمد وہاں موجود تھے۔ طبیعت بگڑی تو بگڑتی ہی چلی گئی، ۶/بج کر ۵۳/منٹ پر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے چہرۂ انور پر رحمت و نور کا سویرا چھا گیا۔

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
جس کے جویاں تھے ہے اس گل سے ملاقات کی رات

نمازِ جنازہ کا غمزدہ منظر: نمازِ جمعہ ہم لوگوں نے جامعہ اشرفیہ کی عزیز المساجد میں ادا کی، اس کے بعد ہم لوگ اپنے بھتیجے ادریس علی کو لے کر بذریعہ بائک جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کی جانب نکلے، جامعہ اشرفیہ سے جامع مسجد راجہ مبارک شاہ تک پورا روڈ طالبانِ علومِ نبویہ اور دیگر مسلمانوں سے بھرا چل رہا تھا، ہم پہنچے تو اس وسیع صحن میں کافی نمازی موجود تھے، جنازے کے گرد بڑی تعداد میں حضرات موجود تھے، اس کے بعد جنازہ اٹھا کر بالکل آخری حد پر رکھا گیا، اس دوران ہم نے بھی کاندھا لگانے کا شرف حاصل کیا، جنازے کے پیچھے بڑی تعداد میں ہجوم تھا، دیگر مقامات سے آنے والوں کا راستہ ایک یہ بھی تھا، جب تک ممکن ہوا لوگ آئے اس کے بعد دیگر راستوں سے آنے لگے، جنازے میں شرکت فرمانے والے حضرات مسلسل آ رہے تھے، حضرت مولانا محمد محبوب عزیزی نے مائک سنبھالا اور جنازے کی نماز ادا کرنے والوں کے تعلق سے اعلان کرنا شروع کر دیا کہ تمام لوگ اپنی اپنی جگہ صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ حضرت مولانا محبوب عزیزی صاحب نے باضابطہ چند نام پکارے کہ تکبیریں یہی لوگ کہیں گے، ہر ایک کی جگہ کا بھی اعلان کر دیا کہ دیگر حضرات تکبیرات نہ دہرائیں۔ وقت قریب ہوا اور امامِ جمعہ مسجد راجہ مبارک شاہ حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی آگے بڑھے اور انھوں نے بڑے سکون کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ نمازیوں کا کثیر ہجوم تھا، اسی جنازے کے ساتھ ایک اور خوش نصیب کا جنازہ بھی تھا، دونوں کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی گئیں، نمازیوں میں شہزادۂ حافظِ ملت حضرت عزیزِ ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، حضرت مفتی محمد معراج القادری، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مفتی زاہد علی سلامی، حضرت مولانا ناظم علی مصباحی، حضرت مفتی نسیم احمد مصباحی، حضرت مولانا حسیب اختر مصباحی وغیرہ تقریباً تمام اساتذۂ اشرفیہ اور دیگر قرب و جوار کے اساتذہ موجود تھے، بیرونی حضرات میں محبِ گرامی حضرت مولانا قاری نور الھدیٰ مصباحی گورکھ پوری استاذ مدرسہ عربیہ سعید العلوم لکشمی پور، مہراج گنج، خلیفۂ عزیزِ ملت مولانا محمد خالد اشرف عزیزی، نوشہرہ، بڑہل گنج، حضرت مولانا سلیمان کوثر مصباحی انجمن اسلامیہ پڈرونہ وغیرہ بھی نمازِ جنازہ میں شریک تھے۔

نماز کے بعد جنازہ بڑی عقیدت و محبت سے اٹھایا گیا اور ہزاروں کے ہجوم میں آپ کے آبائی قبرستان اونچی تکیہ لے جایا گیا۔ تمام تیاریاں پہلے سے تھیں، مخصوص حضرات نے انھیں سپردِ لحد کیا اور اس کے بعد مٹی ڈالنے کا عمل شروع ہوا، کافی دیر کے بعد فاتحہ پڑھ کر وہاں سے رخصت ہوئے اور ایک نشست میں تعزیتی کلمات پیش کیے گئے۔

ولادتِ باسعادت اور تعلیم و تربیت: حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ محلہ پورہ دیوان مبارک پور کے ایک متوسط اور دین دار گھرانے میں ۱۵/جون ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے، والدین کریمین نے بڑی محبتوں سے تربیت فرمائی، جب آپ کچھ باشعور ہوئے تو والد ماجد حضرت مولانا عنایت اللہ علیہ الرحمہ کی زیرِ نگرانی ناظرہ قرآن کریم کی تکمیل فرمائی، پرائمری کی تعلیم دار العلوم اشرفیہ کے شعبۂ پرائمری میں مکمل فرمائی، اس کے بعد آپ کو جلالۃ العلم حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی تحویل میں دیا گیا، انتہائی محنت سے آپ نے دار العلوم اشرفیہ میں درس نظامی کی تعلیم مکمل فرمائی، اساتذۂ کرام آپ سے بہت محبت فرماتے تھے، اساتذۂ کرام میں ایک سے ایک یگانۂ روزگار تھے، اپنے اپنے علمی میدانوں میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، تصوف و روحانیت میں بڑا اعلیٰ مقام رکھتے تھے، ان میں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان تو اپنی مثال آپ تھے، اساتذۂ کرام میں اکثر نام ذیل میں پڑھیے۔ جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی، عظیم مصنف و خطیب حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی، مرتبِ فتاویٰ رضویہ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، اشرف العلما حضرت علامہ سید حامد اشرف اشرفی

جیلانی کچھوچھوی، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی، قاضیِ اہلِ سنت حضرت علامہ محمد شفیع مبارک پوری، استاذ القرا حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری۔ حسبِ روایت جلسۂ دستار بندی کے موقع پر ۱۹۶۰ء میں آپ کو دستارِ فضیلت سے سرفراز کیا گیا۔ وہ ایک مسرت انگیز موقع تھا، آپ کے اساتذہ، احباب، اعزہ اور اہلِ خانہ نے حسبِ توفیق خوشیوں کا اظہار فرمایا۔

۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۰ء تک آپ کے والدین کریمین اور دو چھوٹے برادران کراچی، پاکستان منتقل ہوئے، والدین نے آپ سے بھی فرمایا کہ آپ دونوں یعنی میاں بیوی بھی چلیں، مگر آپ کی اہلیہ نے انکار فرمایا اور آپ وہاں جانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ یہ قدرت کا نظام ہے کہ آپ مبارک پور میں رہ کر بھی کامیاب رہے، آپ گاہے بہ گاہے کراچی جاتے رہتے تھے، ان حضرات سے اچھے تعلقات تھے۔

تدریسی ذمہ داریاں: فراغت کے بعد آپ چند ماہ تک بحیثیت صدر مدرس مدرسہ تنویر الاسلام جین پور میں رہے، اس کے بعد آپ ۲۰/ اپریل ۱۹۶۰ء سے ۳۰/ نومبر ۱۹۷۳ء تک مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ (اب ضلع مئو) کے لیے آپ کا انتخاب ہوا، پہلے چند سال نائب صدر المدرسین اور اس کے بعد صدر المدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ فیض العلوم ہر دور میں ایک کامیاب درس گاہ کی حیثیت سے متعارف رہا ہے۔ تعلیم و تربیت پر آپ گہری نگاہ رکھتے تھے۔ حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی آپ کی زیر نگرانی محمد آباد گوہنہ میں زیرِ تعلیم تھے، آپ نے فرمایا کہ: ”حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ پورے نظامِ تعلیم و تربیت پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔“ آپ نے فرمایا کہ ”حضرت گیارہ بجے شب تک طلبہ کے درمیان بیٹھ کر مطالعہ فرماتے اور تمام طلبہ بھی مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔“ ہم یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ علیہ الرحمہ کے حقیقی بہنوئی تھے اور حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی حضرت قاری صاحب کے بڑے فرزند ارجمند ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے کیشیر حضرت مولانا احمد رضا مصباحی دام ظلہ العالی نے فرمایا کہ: ”جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سنگ بنیاد کے موقع پر ۱۹۷۲ء میں ایک عظیم الشان تعلیمی کانفرنس ہوئی، ان دنوں حضرت محمد آباد گوہنہ میں تھے، اس موقع پر حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو بطورِ خاص مبارک پور بلایا تھا اور کانفرنس کا سارا حساب آپ سے ہی نوٹ کرایا تھا“ در اصل حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علمِ حساب کے بہت ماہر تھے، مشکل سے مشکل مراحل کو چند منٹ میں سلجھانے کا ہنر جانتے تھے۔

یکم دسمبر ۱۹۷۳ء میں آپ کے استاذ گرامی حضرت حافظِ ملت اور انتظامیہ نے آپ کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور بلا لیا۔ یہاں آکر آپ نے تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ دیگر امور میں گہری دل چسپی کا مظاہرہ فرمایا، یوں تو آپ کی بہت سی خصوصیات ہیں، انھیں میں ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ جو ذمہ داری قبول کر لیتے، اسے پوری لگن اور دیانت داری سے مکمل فرماتے۔ ایک بار حضرت حافظِ ملت نے آپ سے ادارے کی ایک رقم کسی ادارے کی ضرورت کے لیے طلب فرمائی، آپ نے بڑی محبت سے وہ رقم آپ کی بارگاہ میں پیش فرمائی اور اس کے بعد بڑے ادب سے رجسٹر پیش کیا کہ حضور اس پر دستخط فرما دیں۔ حضرت حافظِ ملت نے بڑی مسرت سے دستخط فرمائے اور حضرت مولانا کے اس عمل پر بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا کہ ایک ذمہ دار کا فرض یہی ہے جو آپ نے بروقت پورا کیا، ہو سکتا تھا کہ ہمارے ذہن سے یہ بات نکل جاتی اور ہم شک و شبہہ میں مبتلا ہو جاتے، اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے جو آپ نے دستخط کرا لیے، مولانا کے اس عمل پر حافظِ ملت نے ڈھیر ساری دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔

آپ ایک کامیاب اور ذمہ دار استاذ تھے، تدریسی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیتے تھے، آپ کے پاس ابتدائی درجات کی کتابیں بھی رہتی تھیں، طلبہ سے باضابطہ سنتے تھے، یاد نہ رہنے پر سختی بھی فرماتے تھے، کبھی طلبہ کو کھڑا کر دیتے، کبھی مرغا بنا دیتے، کبھی دو ایک چھڑی مار دیتے، مگر ہر مقام پر پیار غالب رہتا، آپ کے یہاں عداوت و دشمنی کا کوئی تصور نہیں تھا، ۱۹۸۵ء میں ہم جامعہ اشرفیہ میں جماعت رابعہ میں داخل ہوئے، اس کے بعد ہماری جماعت نے دو کتابیں آپ سے پڑھیں، ان میں ایک مشکوٰۃ شریف بھی تھی، آپ پہلے عبارت پڑھواتے، مختصر سی تقریر کے بعد کتاب پڑھاتے، پڑھانے میں عبارت کے پورے مفہوم کو ذہن میں اتارنے کی کوشش فرماتے، بقدر ضرورت اعتراضات کو بھی حل فرماتے، کبھی کبھی پڑھانے کے دوران حواشی پڑھ کر سناتے اور ان کی روشنی میں احادیثِ نبویہ کو عشق و محبت میں ڈوب کر سمجھاتے، سرکار کے ارشادات کی جن خوبیوں کو اجاگر فرماتے وہ صرف ساعت کی حد تک نہیں رہتیں بلکہ دل و دماغ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ سے جھوم اٹھتے، ان کا نشانہ صرف ترجمہ نہیں ہوتا بلکہ عمل کا شوق بھی دلاتے تھے۔ یہ در اصل ان کی اپنی پاک باز زندگی کی ترجمانی ہوتی، وہ خود عشق و محبت سے لبریز ہو کر خود بھی عمل فرماتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی عمل کا شوق دلاتے۔

طلبہ کے امتحانات میں کاوش اور اسناد پر نظر ثانی: استاذ الاساتذہ حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمۃ پرنسپل صاحبان کے ایک ذمہ دار معاون تھے، صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی کے عہدۂ صدر المدرسین کو دیکھا اور اب ہم سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے منصبِ صدارت کو دیکھ رہے ہیں۔ آپ امتحانات کے پرچوں کی فوٹو اسٹیٹ کراتے، ان کے لیے بے حد احتیاط سے کام لیتے تھے، عام طور پر رات میں فوٹو اسٹیٹ کراتے تھے، رات کو دو تین بج جاتے مگر گھبراتے نہیں تھے۔ سورج اسٹوڈیو کے مالک نے ہمیں بتایا کہ وہ فوٹو اسٹیٹ کے کسی بھی پرچے کو خراب ہونے کے باوجود دوکان پر نہیں چھوڑتے ایسے پرچوں کو اسی وقت اپنی تحویل میں لے لیتے، بلکہ کام سے فراغت کے بعد رجیکٹ کاغذ ڈالنے والی بالٹی کو بھی الٹ دیتے کہ کہیں غلطی سے کوئی کاغذ اس میں تو نہیں چلا گیا ہے۔ سوالات کے پرچوں میں بھی اس کا خیال فرماتے کہ کہیں دو چار سطر کے لیے ایک مستقل کاغذ تو ضائع نہیں ہو رہا ہے، اسے بقلم خود دوبارہ نقل فرماتے اور سارا مواد ایک ہی کاغذ میں نقل فرما دیتے۔ امتحانات کے بعد طلبہ کی مارک شیٹوں کے نمبر ہمیشہ ان کی تحویل میں رہتے، حضرت مفتی زاہد علی سلامی کی ایک اہم ذمہ داری اسناد اور مارک شیٹ تیار کرنا بھی ہے، حضرت انھیں حسبِ ضرورت ان نمبروں کی کاربن کاپیاں عنایت فرماتے اور ساتھ ہی ہدایت فرماتے کہ ان نمبرات کی کاپیوں کو آپ بطورِ خاص محفوظ رکھیں۔ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اسناد اور مارک شیٹوں کو بغور چیک فرماتے، اگر کہیں کوئی غلطی نظر آجاتی تو تو اپنے قلم سے درست فرمانے کے بجائے مفتی صاحب ہی کو بلاتے اور ان سے فرماتے کہ آپ اپنے قلم سے درست فرما دیجیے، بعض مواقع پر ایسا بھی ہوا کہ اگر کہیں ایک نقطہ بھی چھوٹ گیا ہے تو وہ بھی حضرت مفتی صاحب سے لگواتے، حالاں کہ اسی جیسا قلم ان کے پاس بھی ہوتا تھا۔ یہ تمام باتیں کہنے کے لیے تو بہت آسان ہیں، لیکن مسلسل برسوں تک انھیں عملی طور پر نبھانا یقیناً مشکل ترین کام ہے۔

حضرت حافظ ملت کی عرس کمیٹی کے ناظم: حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمۃ جلالۃ العلم حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ سے بھی بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے، حضور حافظِ ملت بھی آپ کو بہت نوازتے اور آپ پر بھر پور اعتماد رکھتے تھے، حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمۃ حافظ ملت کی بارگاہ میں حد درجہ ادب و احترام کرتے اور حافظ ملت اپنی بزرگانہ حیثیت سے انھیں نوازتے، حضور حافظِ ملت بے پناہ علم و اخلاق کی بلند شخصیت تھے، ان کے شناسا حضرات میں یہ پتہ لگانا ہی مشکل ہو جاتا تھا کہ آپ کس سے زیادہ محبت فرماتے ہیں، ہر ملاقاتی اپنی جگہ مگن رہتا کہ حضرت سب سے زیادہ ہم ہی سے محبت فرماتے ہیں۔ جس وقت حضور حافظ ملت کا وصال پر ملال ہوا، حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی بحیثیت مدرس جامعہ اشرفیہ میں خدمات انجام دے رہے تھے، نصیرِ ملت حضرت مولانا نصیر احمد عزیزی دامت برکاتہم العالیہ بھی بحیثیت مدرس اشرفیہ میں جلوہ گر تھے۔ شیدائیانِ حافظ ملت میں باہم مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ ایک کمیٹی عرس حافظِ ملت کی تشکیل دی جائے۔ بہ اتفاقِ رائے حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمۃ کو ناظمِ عرس کمیٹی بنایا گیا اور حضرت نصیرِ ملت کو خزانچی بنایا گیا۔ یہ دونوں مسلسل عرس حافظِ ملت کا نظم و نسق انتہائی دیانت داری اور امانت داری سے دیکھتے رہے۔ دونوں بزرگ باہم مشاورت کے بعد خدمات انجام دیتے۔ عرس کی تاریخ طے کرنا، پوسٹر شائع کرانا، اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں دعوت نامے شائع کرانا، پوسٹر اور دعوت ناموں کو حسبِ روایت مدعوین کو بھجوانا، عرس کے اخراجات کے لیے مقامی طور پر تعاون حاصل کرنا۔ مبارک پور میں بھی عرس کا تعاون حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے کہ چند ذمہ دار حضرات عزیزِ ملت سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی قیادت میں نکلتے ہیں۔ ایسا عام طور پر ہوتا ہے، جس علاقے میں تعاون حاصل کرنے کے لیے طے ہوتا ہے اس علاقے کے خاص ذمہ داران کو بھی ساتھ میں لے لیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی بھی اپنے محلے کے ذمہ دار کی حیثیت سے ساتھ رہتے اور زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنے کی کوشش فرماتے، اسی طرح حضرت نصیرِ ملت دام ظلہ العالی بھی۔

عرس کے موقع پر باضابطہ آفس بنتا، جس پر ناظمِ عرس کا بورڈ لگتا، مہمانوں کے قیام و طعام پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے، کھانے پینے میں کیا بہتر رہے گا، غلہ منڈی سے خود چاول لاکر کچھ بنوا کر ٹیسٹ کرتے، اگر مطمئن ہوتے تو حسبِ ضرورت آرڈر دیتے ورنہ کوئی دوسرا چاول دیکھتے اور کامل اطمینانِ خاطر کے بعد آرڈر دیتے تھے۔ اس تعلق سے ہم نے جب الحاج صوفی محمد نظام الدین صدر انتظامیہ کمیٹی جامعہ اشرفیہ سے رابطہ کیا، در اصل حاجی صاحب بذاتِ خود عرس کے موقع پر عرس کے کھانے کا نظام دیکھتے ہیں، ہم نے ان سے جب حضرت کا ذکر کیا تو ان کی حالت غیر ہوگئی، فرمانے لگے، مولانا صاحب! ہم کیا بتائیں حضرت ہمارے بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ان کی سچائی اور دیانت داری اپنی مثال آپ تھی، وہ جس کام کو بھی ہاتھ لگا دیتے تھے، بڑی دل جمعی کے ساتھ پورا فرماتے، عرس کے موقع کے لیے کھانے پینے کے انتظامات پر بڑی دور اندیشی سے

سوچتے تھے، عرس شروع ہونے کے بعد سے آج تک ہر عرس میں بڑی دل چسپی رکھتے تھے، اب کوئی دوسرا آدمی ایسا نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اس جگہ کو پر کرنے کے لیے ان کا کوئی بدل پیدا فرمائے۔

عرس کے موقع پر اپنے آفس میں حضرت ناظم عرس اور حضرت خزانچی صاحبان جلوہ گر رہتے، عرس کے سارے نظام پر نظر رکھتے، مہمانوں کی آمد پر خوشیوں کا اظہار فرماتے، خاص بات یہ تھی کہ آپ خصوصی علما اور خصوصی زائرین کے لیے باضابطہ کارڈ شائع کراتے جنھیں دیگر اساتذہ تقسیم کرتے اور عرس کا سارا نظام بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچتا تھا۔

بیعت وارادت اور سفرِحج وزیارت: آپ فطری طور پر نیک اور صالح تھے، آپ کی زندگی میں نمائش وریا کا کوئی تصور نہیں تھا، قول وعمل میں کوئی فرق نہیں تھا، جو فرماتے وہی کرتے، جو کرتے وہی فرماتے۔ مشکل ترین امور آپ خاموشی سے کرتے اور ایک ایک کام پر بار بار غور فرماتے، خاص طور پر علمِ ریاضی میں بڑی مہارت تھی۔ آپ صدق مقال اور اکل حلال کے خوگر تھے، اپنے بزرگوں سے حد درجہ احترام سے ملتے تھے، اس میں بھی کسی طرح تملق اور چاپلوسی نہیں کرتے، آپ ہندوستان کی تمام خانقاہوں اور تمام سچے مشائخ سے یکساں محبت وعقیدت رکھتے تھے، آپ کی نظر میں مشارب کا اختلاف بھی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بڑا ہے وہ بڑا ہے، جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہے۔ خاکِ ہند کی موجودہ مشربی بوالعجبیوں سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا، یہی ایک سچے اور پاکباز انسان کی علامت ہے، آپ مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفےٰ رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے دامن سے وابستہ ہوئے لیکن اس کا علم ہمیں ان کے وصالِ پر ملال کے بعد ہوا، اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کو ان کے شیخِ طریقت حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔

آپ ۲۰۰۸ء میں اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ سفرِحج وزیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے، تمام ارکان حج بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچے، مکہ شریف میں ایک مقام پر آپ کی اہلیہ کی کولھے کی ہڈی فریکچر ہوگئی، اس سلسلے میں قدرے افسردہ ہوئے، مگر کارساز حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، آپ کا قیام محلہ عزیزیہ میں تھا، آپ نے اپنے احباب سے مشورہ فرمایا اور سعودی حکومت کے ذمہ داروں سے رابطہ فرمایا، حکومت کے ذمہ داروں نے اپنے اصول کے مطابق اپنے ایک بڑے ہاسپٹل میں آپ کی اہلیہ کا آپریشن کرایا، ڈاکٹروں نے بڑی کامیابی سے علاج کیا اور آپریشن کے بعد کہا چلو، اب اٹھ جاؤ، آپ کی اہلیہ نے اٹھ کر تہجد کی نماز ادا فرمائی۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ علاج بہت کامیاب ہوا اور یہ آپ حضرات کی نیکی تھی کہ علاج بلا معاوضہ ہوا، حضرت جب واپس جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تو حد درجہ خوش تھے، ایک تو سب بلا معاوضہ ہوا اور اتنا کامیاب کہ اس میں دونوں کو کچھ زیادہ جھیلنا نہیں پڑا، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کی اہلیہ کو صحت وعافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے۔

عملی زندگی اور آخری سفر: حضرت مولانا اعجاز احمد بلا شبہہ ایک زبردست عالمِ دین، گراں قدر امور کو دیکھنے والے ایک ذمہ دار تھے، تدریسی امور کے ساتھ بلا معاوضہ غیر درسی امور کو انجام دینے والے ایک پیکرِ اخلاص تھے، ان کو نہ علاحدہ سے ان تمام کاموں کی کوئی تنخواہ ملتی تھی اور نہ ان کو شہرت طلبی کا کوئی چسکہ تھا، وہ خاموشی اور انتہائی خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ وہ پابندِ صوم وصلاۃ، نیک سیرت اور بلند اخلاق تھے، دار العلوم اشرفیہ سے لے کر جامعہ اشرفیہ تک متعدّد مواقع پر چند مخالفین کھڑے ہوئے، لیکن حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ہمیشہ حق گوئی اور سچائی کے ساتھ اشرفیہ، حضور حافظ ملت اور حضرت عزیز ملت کے ساتھ رہے۔ پہلے تو انھیں کبھی ان اختلافات میں پڑتے نہیں دیکھا گیا اور اگر پڑے بھی تھے تو دو چار جملے فرما کر بات ختم کر دیتے تھے، آپ برسوں سے جامعہ اشرفیہ کے تعاون کے لیے ممبئی اور بھیونڈی جاتے تھے، ہمارا خیال ہے کہ آپ سب سے بڑے سفیر تھے، اب آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے عالی جناب شکیل احمد صاحب جاتے ہیں، وہ بھی نیک اور صالح ہیں، ان کے دور میں بھی چندہ کم نہیں ہوا بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ، دو صاحب زادگان، چار لڑکیاں اور اعزہ واقارب ہیں۔ آپ کی رحلت سے ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے، یہ صرف آپ کے خاندان اور اعزہ واقارب کا نقصان نہیں بلکہ جامعہ اشرفیہ کی تحریک اور جماعت اہلِ سنت ایک مخلص اور دیندار سپاہی سے محروم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے وہ اپنے محبوب ﷺ کے طفیل آپ کا بدل بلکہ نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کو آپ کی نیکیوں کا صلہ عطا فرمائے، جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے، آمین۔ اور آپ کے خاندان، اعزہ واقارب اور امتِ مسلمہ کو صبر وشکر کی توفیقِ خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ ***

فقہی تحقیق

کفر لزومی اور کفر التزامی

فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں

مفتی مطیع الرحمٰن مضطرؔ رضوی

نبی کریم ﷺ جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان میں سے کسی بات کا انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے، دو طرح ہوتا ہے، لزومی والتزامی۔

التزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شے کا تصریحًا خلاف کرے، یہ قطعًا اجماعًا کفر ہے، اگرچہ نام کفر سے چڑے اور کمال اسلام کا دعویٰ کرے۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا۔ ہم نے دیکھا ہے بہتیرے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا وہ بعینہ کفر و مخالف ضروریات دین ہو جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنان ومعجزات انبیا علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق ﷺ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلات باطلہ وتوہمات عاطلہ کو لے مرنا، نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے، نہ محبت اسلام و ہمدردی قوام کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ ت)

اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات وتتمیم تقریبات کرتے لے چلیے تو انجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار کرنا کہ تضلیل جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ قطعًا کفر، مگر انھوں نے صراحۃً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافت صدیقی وفاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں، اس قسم کے کفر میں علمائے اہل سنت مختلف ہو گئے جنھوں نے مآل مقال ولازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ: ۱۵/۴۳۱-۴۳۲)

کتب فقہ میں مذکور تمام کفریات پر تکفیر نہیں کی جائے گی :

تکفیر کے معاملے میں فقہا اور متکلّمین کا اختلاف ہے۔ فقہا کا کام Law & Order درست رکھنا ہے، اس لیے انھوں نے اپنی کتابوں میں کفریہ اقوال واعمال کی طویل فہرست دے دی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان کفریات سے آگاہ ہوں اور ان کے ارتکاب سے بچیں۔ لیکن جہاں تک ان کفریات کی بنیاد پر شخصی اور متعیّن طور پر کسی کو کافر کہنے کا مسئلہ ہے تو فقہا نے بھی اس میں بڑی احتیاطیں برتی ہیں، بلکہ بہت سے فقہا نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ہم ان کفریات کی بنیاد پر متعیّن طور پر لوگوں کے کفر کے فیصلے نہیں کرتے۔ (يقع في كلام أهل المذاهب تكفير كثير ولكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون (شرح فتح القدیر: ۶/ ۱۰۰))

فاضل بریلوی کا رجحان یہ ہے کہ کفر اگرچہ اقبح حرام ہے، اس لیے کتب فقہ میں باب الردہ موجود ہے اور اس کے تحت کفریات کی فہرست درج ہے، لیکن بنیادی طور پر اس کا تعلق عقیدہ سے ہے، اس لیے شخصی طور پر کسی کے کفر کا فیصلہ متکلّمین کا کام ہے اور وہ اس سلسلے میں انتہائی محتاط ہیں۔ فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”کسی قول یا فعل کا موجب کفر ہونا تو خود افعالِ مکلفین ہی سے بحث ہے۔ اس کے بیان کو کتب فقہ میں 'باب الردۃ' مذکور اور صدہا اقوال وافعال پر انھی مشائخ کے بے شمار فتوائے کفر مسطور، مگر محققین محتاط تارکین تفریط وافراط باآنکہ سچے دل سے حنفی مقلد اور ان مشائخ کرام کے خادم ومعتقد ہیں، زنہار ان پر فتویٰ نہیں دیتے اور حتی الامکان

تکفیر سے احتراز رکھتے بلکہ صاف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روایت ضعیفہ اگرچہ دوسرے ہی مذہب کی دربارہ اسلام مل جائے گی اسی پر عمل کریں گے، اور جب تک تکفیر پر اجماع نہ ہولے کافر نہ کہیں گے، وہی درمختار جس میں اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ الخ تھا اسی میں ہے:

الفاظه تعرف فی الفتاویٰ بل افردت بالتالیف مع انه لا یفتی بالکفر بشیٔ منها الا فیما اتفق المشایخ علیه کما سیجیٔ، قال فی البحر: وقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیٔ منها.

یعنی الفاظ کفر کتب فتاویٰ میں معروف ہیں بلکہ ان کے بیان میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں، اس کے ساتھ ہی یہ کہ ان میں سے کسی کی بنا پر فتوی کفر نہ دیا جائے گا مگر جہاں مشائخ کا اتفاق ثابت ہو جیسا کہ عنقریب کلام مصنف میں آتا ہے۔ بحرالرائق میں فرمایا: میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان میں سے کسی پر فتویٰ نہ دوں۔

تنویرالابصار میں ہے:

لایفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن اوکان فی کفره خلاف ولورواية ضعيفة .

کسی مسلمان کے کفر پر فتویٰ نہ دیا جائے جب کہ اس کا کلام اچھے پہلو پر اتار سکیں یا کفر میں خلاف ہو، اگرچہ ضعیف ہی روایت سے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال الخیرالرملی: اقول: ولوکانت الروایة لغیر اهل مذهبنا و یدل علی ذلك اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعاً علیه.

یعنی علامہ خیرالدین رملی استاد صاحب دُرمختار نے فرمایا: اگرچہ وہ روایت دوسرے مذہب مثلاً شافعیہ یا مالکیہ کی ہو، اس لیے کہ تکفیر کے لیے اُس بات کے کفر ہونے پر اجماع شرط ہے۔

یہ علامہ بحر صاحب البحر وعلامہ خیر رملی و مدقق علائی دربارہ تقلید جیسا تصلب شدید حق وسدید رکھنے والے ہیں ان کی تصانیف جلیلہ بحر واشباہ ورسائل زینیہ ودر وفتاویٰ خیریہ وغیرہا کے مطالعہ سے واضح، مگر یہاں اُن کے کلمات دیکھیے کہ جب تک اجماع نہ ہو فتویٰ مشائخ پر عمل نہ کریں گے، ہم نے التزام کیا ہے کہ اس پر فتوی نہ دیں گے، تو وجہ کیا وہی کہ یہ بحث اگرچہ افعال مکلفین سے متعلق ہے مگر فقہ کا دائرہ تو حیثیت حلال و حرام تک منتہی ہوگیا، آگے کفر واسلام، اگرچہ یہ اعظم فرض، وہ اخبث حرام، مگر اصالۃً اس مسئلہ کا فن علم عقائد وکلام، وہاں تحقیق ہو چکا ہے کہ جب تک ضروریات دین سے کسی شئے کا انکار نہ ہو کفر نہیں، تو ان کے غیر میں اجماع ہرگز نہ ہوگا اور معاذاللہ ان میں سے کسی کا انکار ہو تو اجماع رُک نہیں سکتا، لہٰذا تمام فتاویٰ ونقول سے قطع نظر کرکے مسائل اجماعیہ میں حصر فرمادیا۔

اقول: علامہ اقبال کی شاعری اردو اسلامی دنیا کی انتہائی مقبول شاعری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ بعض علمانے اقبال کے بعض اشعار کی بنیاد پر ان کی تردید، تضلیل بلکہ تکفیر بھی کی۔ لیکن اکثر علما اقبال کو قبول کرتے ہیں اور ان کی شاعری میں موجود بعض بظاہر خلاف شرع امور کی تاویل کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں ہمیں اقبال کے بارے میں بھی یہی رویہ-عدم تکفیر-اپنانا چاہیے۔ نیز اقبال کے اس قسم کے اشعار پڑھنے اورنقل کرنے والوں کے بارے میں بھی بدرجۂ اولیٰ یہی رویہ اپنایا جانا چاہیے، بشرطیکہ وہ اہل قبلہ ہوں۔" (فتاویٰ رضویہ: ۹/ ۹۴۲،۹۴۱)

ہنود سے مشابہ بعض اعمال کا حکم:

ہمارے یہاں تومن تشبه بقوم فهو منهم کو اتنا عام کردیا گیا ہے کہ جیسے اب کسی کے لیے مسلمان ہونا ممکن ہی نہ رہے، اس کی زندگی کا کوئی پہلو کفار ومشرکین سے مشابہ ہوا اور وہ فوراً کافر ومشرک ہوگیا۔ لیکن فاضل بریلوی کا احتیاط یہ ہے کہ وہ بعض ایسے اعمال پر بھی کفر وشرک کا فتویٰ دیتے ہوئے گریز کرتے ہیں جو ہنود کے اعمال سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہاں ایک استفتا اور اس کے جواب سے ایک اقتباس دیا جاتا ہے۔ فاضل بریلوی نے اس میں ایک بڑی اصولی بات یہ لکھی ہے کہ نصوص میں جن مقامات پر کفر وشرک کے الفاظ آئے ہیں، وہ ہر جگہ اصطلاحی کفر وشرک کے معنی میں نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بکرے نذر ونیاز یعنی تقرب وعبادت کسی پیر صاحب کے، پرورش ہوتے ہیں اور قندوریاں بنائی جاتی ہیں اور پنڈا بھرتے ہیں جیسے ہنود بھرتے ہیں اور ڈوری اور بدھی اور چوٹی اور جھرولا اور تاتے گلے میں ڈالتے ہیں، یہ امور اخص شرع ہیں یا نہیں اور ان امور کا کرنے والا مشرک ہوتا ہے

یا نہیں؟ ہمارے شہر چورو ریاست بیکانیر میں، اندر ان مسائل کے بحث ہو رہی ہے۔ بینوا توجروا۔ (بیان فرماؤ تاکہ اجر و ثواب پاؤ۔ ت)

الجواب: اللھم احفظنا (اے اللہ! ہماری حفاظت فرما۔ ت) آدمی حقیقۃً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات وواجب الوجود نہ جانے۔ بعض نصوص میں بعض افعال پر اطلاق شرک تشبیہاً یا تغلیظاً یا بارادہ و مقارنت باعتقاد منافی توحید وامثال ذلک من التاویلات المعروفۃ بین العلماء وارد ہوا ہے، جیسے کفر نہیں مگر انکار ضروریات دین، اگرچہ ایسی ہی تاویلات سے بعض اعمال پر اطلاق کفر آیا ہے، یہاں ہرگز علی الاطلاق شرک وکفر مصطلح علم عقائد کہ آدمی کو اسلام سے خارج کردیں اور بے توبہ مغفور نہ ہوں، زنہار مراد نہیں کہ یہ عقیدہ اجماعیہ اہل سنت کے خلاف ہے، ہر شرک کفر ہے اور کفر مزیل اسلام، اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ مومن کسی کبیرہ کے سبب اسلام سے خارج نہیں ہوتا ایسی جگہ نصوص کو علی اطلاقہا کفر وشرک مصطلح پر حمل کرنا اشقیائے خوارج کا مذہب مطرود ہے اور شرک اصغر ٹھہرا کر پھر قطعاً مثل شرک حقیقی غیر مغفور ماننا، وہابیہ نجدیہ کا خبط مردود۔" (فتاویٰ رضویہ: ۲۱/ ۱۳۱)

مشرکین کا "پرساد" کھانا جائز:

یہ فتویٰ بھی فتاویٰ رضویہ ہی کا ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ہنود جو اپنے معبودان باطلہ کو، ذبیحہ کے سوا اور قسم طعام وشیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں اور اس کا بھوگ یا پرشاد نام رکھتے ہیں، اس کا کھانا شرعاً حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: حلال ہے لعدم المحرم (حرمت کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے۔ ت) مگر مسلمان کو احتراز چاہیے لخبث النسبۃ (نسبت کی خباثت کی وجہ سے۔ ت)

عالمگیریہ میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لالھتھم تؤکل لانہ سمی اللہ تعالیٰ و یکرہ للمسلم کذا فی التاتارخانیۃ ناقلا عن جامع الفتاویٰ .

اقول: فاذا حلت ھذہ وھی ذبیحۃ فالمسئول عنہ اولیٰ بالحل۔ اگر کسی مسلمان نے آتش پرست کی بکری اس کے آتشکدہ کے لیے یا کافر کے جھوٹے خداؤں کے لیے ذبح کر ڈالی تو اسے کھایا جائے گا (یعنی کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے) اس لیے کہ مسلمان نے اس پر خدا کا نام لیا ہے لیکن ایسا کرنا مسلمان کے لیے مکروہ ہے تاتارخانیہ میں جامع الفتاویٰ کے حوالے سے اسی طرح منقول ہے۔

اقول (میں کہتا ہوں) جب یہ ذبیحہ ہونے کے بعد حلال ہے تو پھر جس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا وہ بطریق اولیٰ حلال ہے۔ (ت)"

(فتاویٰ رضویہ: ۲۱/ ۶۰۷)

داعی و مبلغ کفار کے میلے میں جاسکتا ہے:

مسلک اعلیٰ حضرت کی غلط تعبیر وتشریح کرنے والے شدت سے اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ کفار و مشرکین اور گمراہوں سے کسی طرح بھی ملنا روا نہیں، حتی کہ داعی و مبلغ علما و مشائخ پر بھی اس "جرم" کی پاداش میں فتوے جڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ وہ اس میں بھی فرق نہیں کرتے کہ داعی خود مدعو سے ملنے جائے یا مدعو داعی سے ملنے آئے۔ اس سلسلے میں فاضل بریلوی کا یہ فتویٰ چشم بینا سے پڑھیے۔ کفار و مشرکین کے میلوں میں شرکت کو ناجائز و حرام بتاتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

"ہاں ایک صورت جواز مطلق کی ہے، وہ یہ کہ عالم انھیں ہدایت اور اسلام کی طرف دعوت کے لیے جائے جب کہ اس پر قادر ہو، یہ جانا حسن و محمود ہے اگرچہ ان کا مذہبی میلہ ہو، ایسا تشریف لے جانا خود حضور سید عالم ﷺ سے بارہا ثابت ہے، مشرکین کا موسم بھی اعلان شرک ہوتا لبیک میں کہتے: لاشریک الا شریکا ھو لک تملکہ و ماملک۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جس کا تو مالک ہے مگر وہ تیرا مالک نہیں۔ (ت)" (فتاویٰ رضویہ: ۲۱/ ۱۶۱)

کفار کا ہدیہ قبول کرنا:

کفار و مشرکین کے تحائف کی قبولیت کے حوالے سے مختلف روایتیں ہیں، بعض اثبات میں ہیں تو بعض نفی میں۔ فاضل بریلوی اس طرح کی روایات لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح اور بھی حدیثیں رد و قبول دونوں میں وارد ہیں:

فمنھم من زعم ان الرد نسخ القبول ورد بجھل التاریخ، ومنھم من وفق بان من قبلہ منھم فاھل کتاب لا مشرک، کما فی مجمع البحار، اقول: قد قبل عن کسریٰ ولم یکن کتابیا الا ان یتمسک فی المجوس سنّوا بھم سنۃ اھل الکتاب غیر ناکحی نساءھم ولا اٰکلی ذبائحھم .

ان میں کچھ وہ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ ہدیہ رد کرنے سے اس کا قبول کرنا منسوخ ہوا اور یہ غلط ہے کیونکہ تاریخ معلوم نہیں۔ اور بعض نے دونوں میں مطابقت اور موافقت پیدا کی کہ جن کا ہدیہ قبول فرمایا وہ اہل کتاب تھے مشرک نہ تھے، جیسا کہ مجمع البحار میں ہے۔ اقول: (میں کہتا ہوں) کہ آپ نے کسریٰ شاہ ایران کا ہدیہ قبول فرمایا، حالانکہ وہ اہل کتاب میں سے نہ تھا، بلکہ مجوس سے تھا۔ مگر یوں استدلال کیا جائے کہ مجوسی نے اہل کتاب کی روش اختیار کی، البتہ ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کا کھانا جائز نہیں۔ (ت)

اس بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ یہ امر مصلحت وقت و حالت ہدیہ آرندہ وہدیہ گیرندہ پر ہے، اگر تالیف قلب کی نیت ہے اور امید رکھتا ہے کہ اس سے ہدایا و تحائف لینے دینے کا معاملہ رکھنے میں اسے اسلام کی طرف رغبت ہوگی تو ضرور لے اور اگر حالت ایسی ہے کہ نہ لینے میں اسے کوفت پہنچے گی اور اپنے مذہب باطل سے بیزار ہوگا تو ہرگز نہ لے، اور اگر اندیشہ ہے کہ لینے کے باعث معاذاللہ اپنے قلب میں کافر کی طرف سے کچھ میل یا اس کے ساتھ کسی امر دینی میں نرمی و مداہنت راہ پائے گی تو اس ہدیہ کو آگ جانے۔" (فتاویٰ رضویہ:۲۱/۶۲۵)

حیرت ہے کہ فاضل بریلوی کے ذہن نے غیر جمہوری ہندوستان میں اس مسئلے کا ادراک کر لیا اور دونوں طرح کی روایتوں میں تطبیق تلاش کر لی لیکن ان کے بعض غالی معتقدین آج کے اس جمہوری عہد میں بھی ایک ہی راگ الاپے جا رہے ہیں۔ انہیں اس فتوے کو بغور پڑھنا چاہیے، اس سے ان کی جدید جمہوری دنیا کی بہت ساری الجھنوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

تصویر کا سجدہ:

فاضل بریلوی کا یہ فتویٰ بھی نگاہ بصیرت سے پڑھیے:

"تصویر اگر مشرکین کے معبودان باطل کی ہو تو اسے سجدہ کرنے پر بھی مطلقاً حکم کفر ہے۔ لاشتراك العلة بل لافرق بينها وبين الوثن الا بالتسطيح بالتجسيم۔ اس لیے کہ علت مشترک ہے (لہذا حکم بھی ایک ہے) بلکہ اس میں (یعنی تصویر) اور بت میں سوائے جسمانیت اور کوئی فرق نہیں (مراد یہ کہ وثن (بت) میں جسم ہے جب کہ عکسی اور نقشی تصویر میں جسم نہیں)۔ (ت) اور اگر ایسی نہیں تو اسے سجدہ کرنا مطلقاً حرام و کبیرہ ہے مگر کفر نہیں جب تک بہ نیت عبادت نہ ہو۔" (فتاویٰ رضویہ:۲۱/۱۶۳)

تشیع اور حب علی:

موجودہ علمی معاشرے کا بحران یہ ہے کہ یہاں شیعیت، رافضیت تفضیلیت، شتم صحابہ اور حب علی جیسے سارے الفاظ مترادف سے لگتے ہیں۔ بلکہ اہل تشیع سے کسی بھی سطح پر راہ و رسم رکھنے والوں کو بھی اسی زمرے (خلود فی النار) میں سمجھا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے یہاں معاملہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہیں اور جرائم کی سنگینی کے پیش نظر سزائیں تجویز کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا یہ اقتباس دیکھیے:

"تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے، رفض و تشیع میں زمین و آسمان کا فرق ہے، بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جب کہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے، صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا: تشیع، حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے اور اسے رافضی بھی کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔ اور اس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔

وفی المقا صد للعلا مة التفتا زا نی: الافضلية عند نا بتر تيب الخلا فة مع تردد فيما بين عثمان وعلى رضى الله تعا لى عنهما۔ مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے: ہمارے نزدیک خلفاے اربعہ میں فضیلت خلافت [کی] ترتیب پر ہے، حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں تردد کے ساتھ۔

وفی شر حها له: قا ل اهل السنة: الافضل ابو بكر ثم عمر ثم عثما ن ثم على. وقد ما ل بعض منهم الى تفضيل علىّ على عثما ن رضى الله تعا لى عنهما والبعض الى التو قف فيما بينهما.

شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے: اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔

وفی الصواعق للامام ابن حجر: جزم الكوفيون و منهم سفيان الثورى بتفضيل علىٍّ على عثمان، و قيل:

بالوقف عن التفاضل بينهما وهو رواية عن مالك.

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے: ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔

وفی تهذيب التهذيب فی ترجمة الامام الاعمش: كا ن فيه تشيع.

تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا۔

وفی شرح الفقه الاكبر لعلی قاری روی عن ابی حنيفة تفضيل علی علیٰ عثمان رضی الله تعالی عنهما والصحيح ما عليه جمهور اهل السنة وهو ظاهر من قول ابی حنيفة رضی الله تعالى عنه علی مارتبه هنا وفق مرا تب الخلا فة.

شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے میں لکھا ہے: حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہل سنت ہیں اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔

ثم لا يذهب عنك الفرق بين شيعی ورمی بالتشيع وكم فی الصحيحين ممن رمی به وقد عد فی هدی الساری عشرين منهم فی مسانيد صحيح البخاری فضلا عن تعليقاته ،بل فيه مثل عباد بن يعقوب رافضی جلد ثم الشبهة لاقيمة لها راسا، فكم فی الصحيحين ممن رمی با نواع البدع وقد تقررعند هم ان المبتدع تقبل روايته اذا لم يكن داعية.

پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ "ہدی الساری "میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید [صحیح] بخاری میں ہیں، تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا، بلکہ رواۃ بخاری میں عباد بن یعقوب جیسا رافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری [کی] گئی تھی اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت نہیں، خود بخاری و مسلم میں بہت سے روای ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کا شبہہ کیا گیا اور اصول محدثین کی رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔" (فتاویٰ رضویہ: ۲۸/ ۷۷-۷۹)

شاتمان صحابہ کا حکم:

شاتمان صحابہ اور منکرین خلافت شیخین کے تعلق سے بالعموم فقہا نے تکفیر کا قول کیا ہے۔ اس سیاق میں درجن بھر سے زائد تکفیری فقہی عبارتیں نقل کرنے کے بعد فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ اگر ایسے بدتمیز لوگ کسی امر ضروری دینی کے منکر نہ ہوں، تو متکلّمین ان کی بھی تکفیر نہیں کرتے اور اس حوالے سے میرا موقف بھی یہی ہے۔ فرماتے ہیں:

"والاحوط فيه قول المتكلمين انهم ضلال من كلاب النار لاكفار وبه نأخذ. اس میں محتاط متکلّمین کا قول ہے کہ وہ گمراہ اور جہنمی کُتے ہیں کافر نہیں، اور یہی ہمارا مسلک ہے (ت)" (۲۵۹/۱۴)

زیدیہ گمراہ ہیں کافر نہیں:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اہل تشیع کی کلی تکفیر نہیں کرتے، حتیٰ کہ فرقۂ زیدیہ کے پیچھے نماز کی اقتدا کو کراہت شدیدہ کے ساتھ درست سمجھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرقہ زیدیہ ان کے نزدیک قطعی طور پر کافر نہیں۔ لکھتے ہیں:

"تعزیہ رائجہ بنانے کو اچھا جاننا، بدعت شیعہ کی تحسین اور حضرت امیر المومنین سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتانا رفض و بدمذہبی، یہی وجوہ اس شخص کے پیچھے نماز کے سخت مکروہ ہونے کو کافی تھے۔ خلاصہ و فتح القدیر و ہندیہ وغیرہا میں ہے: ان فضل عليا عليهما فمبتدع۔ اگر کوئی شخص سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دونوں خلفا پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ ت)

ارکان اربعہ میں ہے:

اما الشيعة الذين يفضلون عليا علی الشيخين ولايطعنون فيهما اصلا كالزيدية تجوزخلفهم الصلٰوة لكن تكره كراهة شديدة .

وہ شیعہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پر فضیلت دیتے ہیں اور ان پر ہرگز طعن و تشنیع بھی نہیں کرتے مثلاً فرقہ زیدیہ کے لوگ، تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن سخت مکروہ۔ (ت)۔" (فتاویٰ رضویہ: ۶/ ۴۴۲)

.................................(جاری)

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین/سوال آپ بھی کرسکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

چند اہم دینی مسائل

(۱)زید نے اپنی بیوی ہندہ کے نام سے LIC میں کوئی پالیسی نکلوائی۔ ہندہ کے انتقال پر LIC میں سے رقم آئی ہے تو رقم کا حق دار زید ہے یا مرحومہ کے ورثاء؟

(۲)خالد لوگوں کو ایک حکیم سے دوائی لینے کا مشورہ دیتا رہتا ہے، لوگ وہاں سے دوائی لیتے رہتے ہیں، اس پر حکیم زید کو طے شدہ کمیشن دیتے رہتے ہیں تو یہ لین دین جائز ہے یا نہیں؟

(۳)میں اپنے نابالغ بچوں کے نام پر بینک میں رقم جمع کراتا رہتا ہوں، اس رقم پر زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

(۴)خالد نے زید کو اپنی کپڑے کی دوکان پر بٹھایا اور منافع میں شریک کیا تو کیا یہ مشارکت جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو جائز ہونے کی کیا کیا صورتیں ہوں گی؟

(۵)زید ایک مسجد کا امام ہے جو کسی دار العلوم کا چندہ اپنے مقتدیوں سے کرتا رہتا ہے اور اس پر طے شدہ کمیشن لیتا ہے، اگر لوگوں کو کمیشن خوری کا علم ہوجائے تو ہرگز زید کو چندہ نہ دیں تو زید کا اس طرح رقم کمانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱)زید نے اگر قسط کے روپے ہندہ کے ہاتھ میں دے دیے، پھر ہندہ نے یا ہندہ سے لے کر زید نے لائف انشورنس کارپوریشن میں قسط جمع کی اور اسی طور پر ہندہ کی وفات تک ساری قسطیں جمع ہوتی رہیں تو LIC کی رقم ہندہ کا ترکہ ہے، جس میں اس کے سارے وارثین کا اپنے اپنے شرعی حصے کے مطابق حق ہے اور اگر زید ہندہ کے ہاتھ میں قسط کے روپے دیے بغیر خود سے جمع کرتا رہا تو خاص اس صورت میں LIC کے روپے ہندہ کا ترکہ نہیں، بلکہ وہ زید کی ملک ہیں، جیسا کہ پہلے بھی اسی کی ملک تھے تو خاص اس صورت میں اس روپے میں ہندہ کے دیگر وارثین کو کچھ بھی نہ ملے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زید کا ہندہ کے نام LIC میں روپے جمع کرنا شرعی نقطۂ نظر سے ہبہ ہے اور ہبہ سے ملکیت موہوب لہ کے قبضہ کے بعد ثابت ہوتی ہے، پہلی صورت میں ہندہ موہوب لہا قبضہ کر کے مالک ہو چکی تھی، اس لیے اس میں اس کے وارثین کا حق ثابت ہوا اور دوسری صورت میں اس نے قسط کے روپے پر قبضہ ہی نہیں کیا اس لیے نہ وہ ان روپیوں کی مالک ہوئی نہ اس میں اس کے وارثین کا کوئی حق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)کمیشن ایک قسم کی اجرت ہے اور اس وقت اسی کا چلن زیادہ ہے، صرف مشورہ دینے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں کہ یہ کوئی ایسا کام نہیں جس پر اجرت لی جائے، فقہا نے صرف مشورہ پر اجرت لینا دینا ناجائز قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)ان رقوم کے مالک نابالغ بچے ہیں اور نابالغ پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی، جیسے نماز فرض نہیں ہوئی، ہاں وہ جیسے جیسے بالغ ہوتے جائیں گے، ان پر زکاۃ فرض ہوتی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)ملازم شریک نہیں ہوتا اجیر ہوتا ہے، زید نے جب دوکان پہ رہ کر صرف کام کیا ہے تو خالد اس کو اجرت دے، نفع میں شرکت کی ایک صورت عقدِ مضاربت کی ہے مگر سوال سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں خالد اور زید کے درمیان مضاربت کا عقد نہیں ہوا۔ مضاربت کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ اگر خالد اپنے اور زید کے باہمی معاہدے کی پوری تفصیل لکھے تو بتایا جاسکتا ہے کہ یہ عقد مضاربت ہے یا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵)وصول کی ہوئی رقم سے کمیشن لینا دینا ناجائز ہے، ہاں اگر یہ چندہ کرکے دار العلوم میں اسے جمع کردے، پھر انتظامیہ اجرت کے

فنڈ سے اسے کمیشن دیں اور وہ کمیشن شریعت کے بیان کردہ مقدار تک ہو تو یہ جائز ہے، تحقیق کے لیے کتاب ”صدقات کے حصول پر کمیشن کا حکم“ مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مشترک کار کے اخراجات اور سعودی عرب میں وقت سے پہلے قربانی کرنے کا حکم

(۱)زید نے تین افراد سے مل کر ایک کار لی، اب اس کی مینٹیننس کے اخراجات سب پر یکساں عائد ہوں گے، یا کسی ایک پر؟

(۲)میں نے سعودی عرب میں ایک شخص کو اپنی قربانی کرنے کا وکیل بنایا ہے، جو کہ وہاں پہلی عید کو ہی میری طرف سے قربانی کردیں گے، جب کہ پاکستان میں عید عموماً وہاں سے ایک دن بعد ہوتی ہے، کیا میری طرف سے واجب ادا ہو جائے گا، جب کہ ابھی یہاں کے اعتبار سے مجھ پر قربانی واجب ہی نہیں ہوئی۔ اس میں وجوب کے لیے کس جگہ کا اعتبار ہوگا؟ جہاں میں ہوں اس کا یا جہاں قربانی کی جائے گی۔ والسلام مع الاحترام۔

الجواب

یہ واضح کرنا چاہیے تھا کہ گاڑی کس لیے اور کس معاہدے کے ساتھ خریدی گئی، بسا اوقات کچھ جزوی فرق بھی احکام کا باعث ہوتا ہے، فرض کیجیے تینوں اشخاص نے باہمی اشتراک سے کرایے پر چلانے کے لیے گاڑی خریدی تو اس کے مینٹیننس کے اخراجات سب پر عائد ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲)اس طرح کی صورتوں میں دونوں جگہ قربانی کا وقت موجود ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر ایک جگہ قربانی کا وقت ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تو قربانی صحیح نہ ہوگی، اس لیے پہلے روز قربانی کا وقت شریعت نے اسی لیے مقرر کیا ہے کہ مکلف اس کا لحاظ کرے یعنی بندہ قربانی کے وقت میں ہی قربانی کرنے کا کرانے کا مکلف ہے اور جب خود مکلف کے حق میں وقت نہ آیا تو اس وقت میں قربانی کرنا یا کرانا حکم شریعت کے مطابق نہ ہوا، شہری کی قربانی دیہات میں قبلِ عید اس لیے صحیح ہوتی ہے کہ قربانی کا وقت دونوں جگہ موجود ہوتا ہے اور دیہات میں عید کی نماز ہے نہیں جس کے احترام کے لیے خارج سے کوئی ممانعت آئے،

پوری تحقیق ہمارے بعض فتاویٰ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بکرے یا مرغ کی کھال آگ میں جلا کر کھانا کیسا ہے؟

حضور کسی نے کہا رحمت خدا و شفاعت مصطفیٰ پر بھروسا کر کے گناہ کرنا گمراہی ہے؟ اس کے کہنے کا سبب یہ تھا کہ کوئی گناہ جیسے گندی چیز کو رحمت کے بھروسے کر گزرتا ہے تو ایسا شخص گمراہ ہے یعنی راہ سے بہکا ہوا؟ براہ کرم کہنے والے کے لیے حکمِ شریعت بیان فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل اور اس کے رسول مجتبیٰ ﷺ کی کھلی نافرمانی اور کبائر کا ارتکاب مثلاً شراب نوشی، قذف محصنات، زنا، قتلِ ناحق، عمداً ترکِ صلاۃ و صوم بلا شبہہ بڑے بڑے گناہ اور اللہ و رسول کی ناراضگی کے کام ہیں، ان میں سے اکثر کے لیے دنیا میں بھی بڑی سزا مقرر ہے اور آخرت میں تو سب کے لیے جہنم کی وعید ہے، ان کے بارے میں قرآن پاک میں صرف یہ فرمایا:

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ.

لہٰذا بے شمار اہلِ کبائر جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے، اللہ گناہوں کو معاف فرمائے گا، مگر بے شمار کو جہنم کی آگ میں بھی تو جلائے گا۔ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی شفاعت سے یقیناً اہلِ کبائر کی بخشش ہوگی، مگر اس بخشش میں وہ لوگ بھی تو شامل ہوں گے جو نارِ جہنم میں جل کر کوئلہ کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ اگر کوئی شخص تریاق پر بھروسا کر کے زہر نہیں کھاتا، پانی پر بھروسا کر کے آگ میں نہیں کودتا تو پھر جہنم میں جانے کے کام بھی تو نہ کرنا چاہیے، قائل کو اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بالحكمة والموعظة الحسنة. کے پیشِ نظر اور حدیثِ نبوی: ”ولا تنفروا“ کا لحاظ کر کے ”گمراہ“ کی جگہ ”بھول“ کا لفظ بولنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضروری اطلاع

موجودہ مہنگائی کے پیشِ نظر ماہ نامہ اشرفیہ کی سالانہ خریداری ماہ جولائی ۲۰۱۷ء سے ۲۵۰/ روپے سالانہ کردی گئی ہے۔
اگست ۲۰۱۷ء سے اس پر عمل کیا جائے گا۔
منیجر ماہ نامہ اشرفیہ

فکرِامروز

ہم اور ہمارے زوال کے اسباب

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

ایک جملہ جو سن کر ایک ہیجانی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔وہ یہ کہ قوم کا زوال شروع ہوگیا۔قوم زوال پزیر ہورہی ہے۔قوم تباہی کے دہانے پر ہے۔فلاں قوم تباہ ہوگئی۔فلاں قوم کو عروج ملا۔وہ قوم اتنی ترقی کررہی ہے ۔وغیرہ۔تاریخ انسانیت کا یہ عنوان سینکڑوں واقعات اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے ۔کافی دنوں اس عنوان پر سوچ رہاتھا۔پھر ہمّت کی اور اپنے قارئین کے لیے ایک مضمون ترتیب دینے کا ذہن بنالیا۔

قوموں کے عروج وزوال کے مناظر چشم فلک نے کئی مرتبہ دیکھے ۔ پھر بعد میں آنے والوں نے ان زوال وعروج کے محرکات پر اپنے تجزیات پیش کیے ۔ آئیے اس بات پر غور کرتے ہیں کہ قومیں زوال پزیر آخر ہوتی کیوں ہیں۔

مطالعہ،مشاہد اور حالات کے پیشِ نظر قوموں کے زوال کے بہت سے محرکات ہیں۔لیکن ان میں ایک محرک جو غالب دکھائی دیتا ہے وہ ہے قوموں کا اپنی اصل اور حقیقی راہ سے بھٹک جانا۔اللہ عزوجل کی عطاکردہ نعمتوں چاہے وہ کسی بھی صورت میں ہوں ان کی ناشکری کرنے والی قومیں بھی تنزلی کا شکار ہوئیں۔قدرت کا یہ قانون ہے کہ کسی قوم کو نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو امتحان میں تبدیل نہیں کیا جاتا جب تک وہ قوم خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کرتی۔گزری ہوئی اور موجودہ قوموں کے عروج و زوال کے لیے یہی اٹل قانون ہے کہ نعمت کا شکر اور حق ادا کرنے پر نعمت بڑھ جاتی ہے اور ناشکری کرنے پر سزادی جاتی ہے۔

ایک بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ تنزلی فقط کفار ہی کے لیے نہیں بلکہ نافرمان مسلمان بھی زوال و تنزلی کے مصداق ٹھہرے۔تاریخ گواہ ہے صدیوں مسلمانوں پر عروج کا دور رہا۔دنیا کے شرق و غرب میں اس کی رفعت ومعراج کے قصیدے پڑھے جارہے تھے۔لیکن پھر آسمانِ دنیا نے وہ منظر بھی دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہوگئی۔ آج بھی دنیا کے نقشے پر نظر دوڑائیں تو اسلامی ممالک میں کشت وخون کی نہریں بہ رہی ہیں۔

مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کی معرفت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر اور ان کا حق ادا کرتے رہے۔تب تک عُروج کی ان مَنازل پر فائز رہے کہ دنیا کی بڑی بڑی سپر پاورز ان کے زیر نگیں رہیں اور کفار مسلمانوں کا نام سن کر لرزتے رہے اور جب سے مسلمانوں نے نعمت کے شکر اور اس کے حق کی ادائیگی سے منہ موڑا تب سے ان کی طاقت اور کافروں پر تَسلُّط ختم ہونا شروع ہوگیا اور آج مسلمانوں کا دنیا بھر میں حال یہ ہے کافر انہیں برے سے برے نام سے یاد کرتے ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مسلم ملک ہو جو کافروں کا دست نگر نہ ہو۔

تمام قدرتی وسائل کے باوجود مسلمان دنیا میں ذلیل و خوار ہونے لگے۔مسلمانوں کو کامیابی دی تو قدرت نے تھی لیکن گنوائی خود مسلمانوں نے ہے، کیونکہ قدرت جب کسی قوم کو سرفرازی کے لیے منتخب کرلیتی ہے۔تو یہ حالت اسی وقت تبدیل کرتی ہے، جب وہ قوم خود اپنے آپ کو پوری طرح پستی میں گرا دیتی ہے۔ کسی دانشور نے بہت قیمتی بات کہی ہے۔کوئی شخص کسی کا چراغ نہیں بجھاتا، چراغ کے اندر تیل کی کمی چراغ کو بجھا دیتی ہے۔مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔قدرت نے مسلمانوں کو دنیا میں عروج دیا، لیکن بہت سی خامیوں کا شکار ہوکر مسلمان اس عروج کو برقرار نہ رکھ سکے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جب قوموں کو عروج میسر آتا ہے تو وہ comfort zone میں چلی جاتی ہے۔جو اسے میسر ہوتا ہے اسی پر اکتفا کرلیتی ہے اور آئندہ کی پیش بندی نہیں کرتی۔اس طرح وہ معاش کے میدان میں قدرے امتحان کا شکار ہوتی چلی جاتی ہے۔کیونکہ جب عروج مل جائے تو اسے برقرار رکھنا آسان نہیں ہوتا ہے۔دور عروج میں قوم کے افراد سہولت پسند، کاہل اور سست ہوجاتے ہیں اور بلند نظر افراد کی کمی واقع ہوجاتی ہے۔دراصل عروج کا لازمی نتیجہ رفاہیت اور معاشی استحکام سیاسی غلبے کو لازم ہے۔معاشی فراوانی سے قوموں کی توانائیاں اور صلاحیتیں عیش و

عشرت کے ہاتھوں زنگ آلود ہونے لگتی ہیں اور ایک عظیم سلطنت کی بقاو استحکام کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ناپید ہونے لگتی ہیں۔مختلف قسم کی بھول بھلیوں میں گم ہوکر قوم اپنا حاصل کیا ہوا مقام کھو بیٹھتی ہے اور اپنے دفاع کے لیے دوسری قوموں کی توانائیاں مستعار لیتی ہے۔ممکن ہے اس عمل سے کسی قوم کی ڈوبتی نبض کو وقتی طور پر تو سہارا مل جائے، لیکن یہ قومی زوال کی سب بڑی علامت ہوتی ہے۔بظاہر یہ لگتا ہے کہ قوم دور استحکام میں جی رہی ہے، مگر حقیقت میں عروج کی چڑھائی کے بعد قوم کی گاڑی آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر زوال کی ڈھلان پر آجاتی ہے اور انحطاط کا دور بہت خاموشی سے دور زوال میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

ملت اسلامیہ کلام الٰہی کا حامل بنایا گیا تھا تاکہ اس کے بتائے گئے ضابطوں پر عمل پیرا ہوکر عروج کی منازل طے کریں اور یہ کتاب جو فیصلہ وہ کامل بھی ہے اور بنی نوع انسانی کے لیے باعث خیر وبرکت بھی۔لیکن آہ !افسوس صد افسوس!!مسلمان قوم نے اس دستور حیات کو طاقوں میں سجاکر رکھ دیا۔رشد وہدایت کے اس منبع کو گویا سنبھال کر رکھ دیا۔پھر رفتہ رفتہ اسی کتاب مبین کو حجت بناکر اسلام کے نام پر تفریق کی ایک فضا بنی کہ مسلمان ہی مسلمان کا دشمن بن گیا۔باہم دست وگریبان ملّت اسلامیہ کا شیرازہ ہی بکھر کر رہ گیا۔کسی زمانے میں عیسائیت کا طوطی بولتا تھا۔لیکن تفرقہ، نفرت وعداوت کی وجہ سے آٹھویں صدی عیسوی میں سلطان محمد فاتح نے بڑی آسانی کے ساتھ قسطنطنیہ کو فتح کرلیا۔اس زمانے میں دونوں عیسائی گروہوں کے پادری ایک دوسرے پر اسی طرح کفر کے فتوے صادر کرنے میں مشغول تھے، جس طرح آج مسلمان مشغول ہیں۔

محترم قارئین!حالات و واقعات کو دیکھ کر یہ بات بھی سمجھ آتی ہے دنیا دارالاسباب ہے۔یہ کھیتی کی مانند ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔کبھی گندم کاشت کرنے پر چاول کی فصل نہیں ملتی۔یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ آج دنیا میں کفار وہنود ترقی در ترقی کرتے چلے جارہے ہیں۔اس کی ایک اہم وجہ اور راز کہ انھوں نے اپنی سابقہ غلطیوں کی اصلاح کرکے وقت کے تقاضوں پر عمل کیا، ان کو عروج مل گیا۔انہوں نے سائنسی علوم میں مہارت پیدا کی، کیونکہ ان علوم پر مکمل گرفت اور مہارت ہی وقت کا تقاضا اور ضرورت ہے۔جب کہ مسلمانوں نے اِن علوم سے پہلوتہی کی۔آج پوری مسلم دنیا میں موجود یونیورسٹیوں کی تعداد اور ان کا معیار، مغرب کی یونیورسٹیوں کی تعداد اور ان کے معیار کے سامنے کچھ خاص معلوم نہیں ہوتا ہے۔پوری مسلم دنیا میں عالمی معیار پر پورا اترنے والی شاید ہی کوئی یونیورسٹی ہو۔

محترم قارئین !میں کفار بداطوار سے متاثر نہیں بلکہ ان کے قبیح کاموں پر انھیں ملامت کرنے والوں میں سے ہوں لیکن کائنات عالم میں بستے ہوئے انسان ہونے کے ناطے ان کی اچھائیوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے انھیں نظر انداز کروں اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور کمزوریاں بیان نہ کروں تو ڈر ہے کہ کہیں یہ خوش فہمی ہمیں نہ لے ڈوبے۔ہم اگر دنیا کے نقشہ ،دنیا کے حالات پر نظر دوڑائیں تو مسلمانوں کے زوال کی دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک وجہ جدید اور سائنسی علوم سے عدم توجہی بھی ہے۔عروج و زوال کا قانون واضح ہے کہ جو وقت کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے، وقت اس کے تقاضوں پر عمل کرتا ہے اور جو وقت کے تقاضوں کو نظر انداز کرتا ہے، وقت بھی اسے نظر انداز کردیتا ہے۔مانا کہ مسلمانوں کا ماضی بہت ہی شاندار تھا، لیکن حال کیا ہے؟اظہر من الشمس۔آج ہمیں درخشاں ماضی کے خمار سے نکل کر اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم ایک شکست خوردہ اور زوال کا شکار قوم ہیں اور پھر اپنے عروج کا سفر نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا۔

میں تاریخ کا طالب علم ہونے کے ناطے جب کتب تاریخ کا مطالعہ کرتا ہوں اور ماضی بعید میں جاپان کے حشر کو پڑھتا ہوں تو یقین نہیں آتا کہ یہ وہی جاپان ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی اور جس پر بم گرا کر اس کی نسلوں تک کو معذور کردیا گیا تھا، مگر وہ پھر سے دنیا کے نقشے پر ترقی کرنے والے ممالک کی فہرست میں شامل ہوجائے گا۔اک خواب ،افسانہ ،سپنا محسوس ہوتا ہے۔لیکن جاپان نے اپنی ماضی کی غلطیوں سے سیکھا۔مستقبل کے لیے منزل کا تعین کیا اور زادراہ لے کر منزل کی جانب گامزن ہوگیا اور آج وہ ایک طاقت ور ملک کے طور پر ہمارے سامنے ہیں۔

ہمیں بھی دنیا میں ترقی کرنے والی قوموں سے سبق سیکھنا ہوگا۔ماضی کے کارنامے دل کو سکون تو دیتے ہیں لیکن حال کے لیے وہ ایک قصّے سے زیادہ کچھ نہیں۔مسلمانوں کے لیے زوال کی گھاٹی سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی پر عمل پیرا ہوکر اپنے تمام اختلافات کو ختم کریں اور جدید علوم میں مہارت حاصل کریں اور اپنی ان تمام خامیوں سے کنارہ کشی اختیار کریں، جن کی وجہ سے مسلمانوں کا عروج زوال میں تبدیل ہوا ہے۔یہی وقت کا تقاضا ہے۔فرد سے افراد اور افراد سے قومیں بنتی ہیں۔ہمیں چاہیے کہ ہم من حیث القوم اجتماعی سوچ کو عام کریں اور جو خامیاں ہیں انھیں دور کرنے کی کوشش کریں اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی مقدور بھر کوشش کریں کہ عقل مند قومیں حالات وواقعات کے سانچے میں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔اللہ عزوجل امتِ مسلمہ پر اپنا فضل فرمائے۔آمین ٭٭٭

شعائیں

معاشرے میں

اخلاق و آداب کا فقدان

محسن رضا ضیائی

اخلاق وآداب کسی بھی قوم کا سرمایۂ حیات اور طرۂ امتیاز رہے ہیں ۔ہر دور میں قوموں نے اپنے سماج ومعاشرے سے برائیوں کو ختم کرنے اور بہتر تبدیلیاں لانے کے لیے اخلاق وآداب کو بہت زیادہ فروغ دیا اور یہی نہیں بلکہ انہیں اپنی شناخت کے طور پر استعمال بھی کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمیں تاریخ میں ایسے کئی مہذب معاشروں اور بااخلاق قوموں کے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے اخلاق وآداب کے ذریعے نیک نامی حاصل کی اور کامیابی وترقی کے منازل کو طے کیا۔

اسی لیے ہر مذہب اور ہر قوم میں اخلاق وآداب کو بہت زیادہ ترجیح اور اہمیت دی گئی ہے۔لیکن اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اخلاق وآداب سے سب سے پہلے انسانوں کو متعارف کرانے والا وہ مذہبِ اسلام ہے جس نے اخلاق وآداب سے انسانیت کا رشتہ استوار کرایا، انہیں بڑوں کے احترام وادب کا درس دیا، چھوٹوں پر شفقت ومروت کی تعلیم وتاکید کی، عورتوں کے حقوق وفرائض کی تلقین کیا، والدین اور معمر افراد کی خدمت وکفالت کا انوکھا تصور پیش کیا، پڑوسیوں، ہمسائیوں اور قرب وبعد کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرم رویوں کے ساتھ پیش آنے کی تربیت وتعلیم دی۔

گویا یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا میں آج جو بھی اچھائیاں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں ان کا سہرا اسلام ہی کے سر جاتا ہے، جس نے انسانوں کو اخلاق وآداب اور نیک عادات واطوار کا جامہ پہنا کر انسانیت کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔انہیں شرافت وادب ،نظافت وپاکیزگی اور تہذیب وثقافت کا درس دے کر سلیقۂ زندگی سے آشنا کیا۔

اسلام کی اسی پاکیزہ اور مہذب تعلیمات کی وجہ سے اس کے ماننے والے ہر دور میں اپنے حسنِ اخلاق وآداب، عمدہ افعال وکردار اور نیک عادات واطوار کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز رہے ہیں ،اور اسی سبب جانے اور پہچانے بھی گئے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ کے سنہرے ادوار اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ یہ قوم جس قدر شجاعت وجواں مردی، ہمت ودلیری اور جرأت ورواداری میں اپنا کوئی متبادل وثانی نہیں رکھتی ہے اسی طرح معاشرتی آداب واصول اور انسانی اقدار وحقوق میں بھی اپنا کوئی مماثل نہیں رکھتی ہے۔گویا قوم مسلم شعبہائے حیات کے تمام طور طریقوں اور سلیقوں سے خوب اچھی طرح واقف اور ساتھ ساتھ عمل پیرا بھی رہی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اسلام ان سنہرے ادوار میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ سب پیغمبر اعظم ﷺ کی تعلیم ونصیحت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے خود بھی اپنی پوری زندگی نہایت ہی متانت وسادگی، تواضع وانکساری ،حلم وبردباری اور اخلاق وشرافت کے ساتھ بسر کی اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تاکید وتلقین فرمائی ۔لہذا یہ تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ان کے ماننے والے ان کے نقوشِ راہ اور اسوۂ حسنہ پر چل کر انسانیت کے اعلیٰ درجے پر کیوں نہیں فائز ہوسکتے ہیں ۔بلاشبہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے تمام پہلو تمام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے نمونۂ عمل اور مشعلِ راہ ہیں جن میں خوبیاں ہی خوبیاں اور اچھائیاں ہی اچھائیاں موجود ہیں جن کے بغیر انسان کی زندگی عبث وبے کا نظر آتی ہے ،کیوں کہ ادب وسلیقہ، وقار وشائستگی اور نظافت وطہارت کا تصور ہی اسلامی زندگی کا عین مقصد ہے۔

اسے اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح ریڑھ کی ہڈی جسم میں سب سے بڑی اور سب سے مضبوط ہڈی ہوتی ہے ،جس پر جسم کی دوسری ہڈیوں اور ڈھانچے کا انحصار ودار ومدار ہوتا ہے۔اگر ریڑھ کی ہڈی کمزور پڑ جائے تو پورا جسم نحیف وناتواں پڑ جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح قوم اور معاشرے کے لیے اخلاق وآداب ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جو انہیں قوت ومضبوطی پہنچاتے ہیں ۔اگر یہ ریڑھ کی ہڈی کمزور پڑ جائے تو پوری قوم اور پورا معاشرہ انحطاط وتنزلی کا شکار ہو جاتا ہے، جو اپنی آن بان ، شان اور پہچان سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اور اخلاق آداب کے فقدان کے سبب دنیا میں ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔

جو لوگ معاشرے میں اخلاق وآداب ،تہذیب وثقافت اور معاشرتی اقدار وروایات کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے ہیں وہ دنیا میں غیر

مہذب، بداخلاق اور گھٹیا کہلاتے ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ حد درجہ بداخلاق وبے ادبی کا شکار ہوکر آخر کار صفحۂ ہستی سے بے نام ونشاں ہوکر مٹ جاتے ہیں ۔اسی لیے قوم اور معاشرے کے تمام افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اخلاق وآداب اور گفتار وکردار کو بہتر سے بہتر بنانے کی سعی وکوشش کریں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آداب صرف انسان کے ظاہری اعضا کی تزئین و آراستگی، خوش نما لباس اور ظاہری کروفر کا نام نہیں ہے، جسے عام طور پر معاشرے میں آداب کہا جاتا ہے۔ بلکہ تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب یعنی ظاہری وباطنی خوبیوں اور اچھائیوں کا نام ادب ہے جس کے بارے میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: طہارت اور پاکیزگی نصف ایمان ہے“۔ یعنی آدھا ایمان تو یہ ہے کہ آدمی روح کو پاک وصاف رکھے اورآدھا ایمان یہ ہے کہ آدمی جسم کی صفائی اور پاکی کا خیال رکھے۔ روح کی طہارت یہ ہے کہ اس کو کفر وشرک اور معصیت وضلالت کی نجاستوں اور آلائشوں سے پاک کرکے صالح عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کیا جائے۔ اور جسم کی طہارت ونظافت یہ ہے کہ اس کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک وصاف رکھ کرکے آداب و اخلاق سے آراستہ کیا جائے۔ اب جو بندہ ظاہری و باطنی نظافت و طہارت اور ان تمام مذکورہ اچھی عادتوں کا مالک بنتا ہے تو ایسا انسان عند اللہ و عند الناس باادب و مہذب کہلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ادب کو انسانی زندگی کا پہلا زینہ قرار دیا گیا ہے، اسی لیے انسانوں کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ خود بھی مؤدب بنیں اور دوسروں کو بھی باادب بنانے کی کوشش کریں۔ کیوں کہ ادب ایک ایسا زیور ہے کہ اگر انسان اس سے آراستہ وپیراستہ ہوتو وہ انتہائی بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے، اور جو اس خوبی سے خالی ہو تو وہ انسان نما حیوان ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے والدین کو اپنے بچوں کو ادب کی تعلیم دینے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ”کسی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے“۔ اسی طرح ایک اور جگہ ہے کہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ ہم سے ملنے کے لیے ہمارے یہاں جلوہ افروز ہوئے ۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک آدمی گرد وغبار میں اٹا ہوا ہے۔ اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ”کیا اس کے پاس کوئی کنگھا نہیں ہے کہ اپنے بالوں کو بنا سوار لے“۔ اور ایک دوسرے آدمی پر آپ کی نظر پڑی جس کے کپڑے انتہائی گندے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ”کیا اس کو وہ چیز بھی میسر نہیں ہے جس سے یہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کر لے“۔ (مشکوٰۃ)

اللہ کے رسول ﷺ کے ان ارشادات عالیہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کس قدر اخلاق و ادب کی تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ لہٰذا اب یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ اب کس طرح اپنے بچوں اور بچیوں کو علمی، تہذیبی اور اخلاقی زندگی کے سانچے میں ڈھالیں۔ اس کے علاوہ بڑوں کی تعظیم وتوقیر، چھوٹوں پر شفقت ومروت اور ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تعلیم دیں۔

اسلام میں اخلاق وآداب کو بڑی اہمیت دی گئی ہے ۔ اگر انسان کوئی کام دائرۂ ادب میں رہ کر انجام دے تو وہ معاشرے میں باادب ومہذب کہلاتا ہے اور اگر دائرۂ ادب سے ہٹ کر سر انجام دے تو وہ کام بے ادبی پر محمول ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے وہ انسان سب کے نزدیک گستاخ، کمینہ اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے۔ یہ مثل مشہور ہے:” باادب بانصیب بے ادب بے نصیب “یعنی ادب کرنے والا خوش نصیب اور سب کی نظروں میں ہمیشہ محبوب و پسندیدہ ہوا کرتا ہے، اور بے ادب انتہائی گستاخ اور بدبخت ہوا کرتا ہے۔

اسی لیے انسان کو معاشرے میں رہ کر زندگی گزارنے کے لیے اخلاق وآداب کا بجالانا نہایت ضروری ہے ۔ اگر انسان کے پاس اخلاق وآداب جیسی عظیم دولت نہ ہوتو ایسا انسان حقیقتاً مفلس ومحتاج ہوتا ہے وہ اخلاق وآداب کا یتیم ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لیس الیتیم الذی قد مات و الدہ
ان الیتیم یتیم العلم والادب

یتیم وہ نہیں ہے جس کے والدین دنیا سے پردہ کر گئے، بلکہ یتیم دراصل وہ ہے جس کے پاس علم وادب نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں اچھے عادات و اطوار کا مالک بننا چاہیے اور اچھی عادتیں یہ ہے کہ ہمیشہ حلم و بردباری اختیار کریں، دوسروں کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آئیں، کسی کی غلطی پر عفوودرگزر سے کام لیں اور ہر حال میں صبر وشکر کا مظاہرہ کریں۔ اس کے علاوہ جھوٹ، غیبت، بغض وحسد، نفرت وعداوت اور ہر طرح کی مذموم حرکتوں سے اجتناب کریں۔ یہ ایسی عادتیں ہیں جن سے انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت میں بھی کامیاب ہوگا۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے اخلاق وآداب عہد ماضی کے مسلمانوں کی زندگیوں میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔............... (باقی ص:۲۶ر پر)

اسلام اور خدمتِ خلق

مولانا محمد اختر علی واجد القادری

لفظ خدمت کی تعریف اور خدمت خلق کا مفہوم:

" خدمت " عربی زبان کا لفظ ہے، خلق کا معنی " مخلوق " ہے اب دونوں کا معنی ہوا" مخلوق کی خدمت کرنا" اور اصطلاح اسلام میں خدمت خلق کا مفہوم یہ ہے کہ رضائے حق حاصل کرنے کے لیے تمام مخلوق خصوصا انسانوں کے ساتھ جائز امور میں امداد کرنا ہے، یہ وہ خدمت ہے جس سے انسان نہ صرف لوگوں کے دلوں میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستحق رحمت و مغفرت ہوجاتا ہے، دنیوی زندگی میں بندۂ مومن کے مقاصد میں رضائے الٰہی کا حاصل کرنا سب سے اہم مقصد ہوتا ہے اور خدمت خلق سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ مخلوق خدا میں بھی محبوب ہوجاتا ہے۔

اسلام کا نظریۂ خدمت خلق: اسلام اپنے ماننے والوں کو جن امور پر کاربند ہوکر ایک بہتر انسان ہونے کی ضمانت دیتا ہے ان امور حسنہ میں خدمت خلق بھی ہے، اسلام نے بندۂ مومن کو دو حقوق ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے، جن کی پاسداری ان کے وقتوں پر از حد ضروری قرار دیا گیا ہے، پیغمبر اسلام رحمت عالم نور مجسم ﷺ انسانوں کے لیے نمونۂ عمل بن کر تشریف لائے، حضور ﷺ نے اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ صرف رکوع و سجود ہی کے احکام پہنچانے نہیں آئے بلکہ انسانی تقدس کو اچھے اعمال کے توسل سے بام عروج تک پہنچنے کا راستہ بھی بتانے آئے تھے، انہوں نے جہاں ایک اللہ کی عبادت کا حکم دے کر معبودان باطل سے نجات دلانے کی مکمل کوشش کی وہیں انسان کے تقدس کی بھی حفاظت فرمائی۔

اسلام "خدمت خلق " کے تعلق سے کس قدر حساس ہے اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ عبادات میں اہم ترین عبادت " نماز " کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ یعنی الحمد للہ رب العلمین جس کا ترجمہ ہے "سب خوبیاں اللہ کو جو پالنہار سارے جہاں والوں کا" کی تلاوت کرنے کا حکم دیا ہے، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کے صفتی ناموں میں ایک نام " رحمة للعلمین " ہے یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ پوری کائنات کے لیے رحمت ہیں، ان دونوں مقامات میں اللہ تعالیٰ نے خود کو کائنات کا پالنہار اور مصطفی ﷺ کو پوری کائنات کے لیے رحمت قرار دیا ہے، جس سے واضح ہے کہ بندۂ مومن کے دل و دماغ میں یہ بات ہمیشہ رہے کہ اللہ تعالیٰ جب بندوں کا پالنہار ہے تو ہمیں کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس سے کسی بندے کی زندگی میں کوئی پریشانی لاحق ہو جائے، اور ہمارے نبی ﷺ جب پوری کائنات کے لیے رحمت ہیں تو ہمیں کسی کے لیے زحمت نہیں بننا چاہئے، قرآن مجید، فرقان حمید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت "نماز" کا حکم دیا ہے، عموماً وہاں "زکوٰۃ " کا بھی حکم دیا ہے، زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے جو ظاہر ہے کہ خدمت خلق کی ایک شکل ہے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک جگہ قرآن میں ارشاد فرمادیتا کہ " نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو" تو بھی ہر بندے پر اس پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا مگر متعدّد مقامات میں اس کا مقرر ارشاد فرمانا تاکید در تاکید ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اسلامی تعلیمات کا اہم جزہے، پھر مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلے غریب بندوں کا ذکر اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتا ہے، پھر قرآن واحادیث کے متعدّد مقامات میں صدقہ و خیرات کا حکم آیا ہے اور اس پر بار بار ابھارا بھی گیا ہے، عید الاضحیٰ میں گوشت تقسیم کرنے اور عید الفطر کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے، اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے صدقۂ جاریہ کرنے، روزہ داروں کو افطار اور سحری کرانے، شادی بیاہ کے مواقع پر ولیمہ کرانے، مسافروں کی مدد کرنے، آفات وبلیات سے دو چار لوگوں کو ہر ممکنہ امداد پہنچانے، راستوں اور وادیوں میں کوئیں کھدوانے، غریب اور بے گھر لوگوں کے لیے بستیاں آباد کرنے، مریضوں کی عیادت کرنے اور تسلی دینے، یتیموں اور بے کسوں کی پرورش و کفالت کرنے، بلا امتیاز انسانی خدمات کے جذبات کو فروغ دینے، اور ارضی و سماوی حادثات کے شکار لوگوں کی خیریت لینے کے احکام قرآن واحادیث میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں، لطف کی بات یہ ہے کہ

اسلام نے انسانی خدمات کا تصور اسی زمانے میں دیا تھا جس زمانے میں آج کی طرح انسانی خدمات کی ضرورت کئی معنوں میں کم تھی لیکن ایسا تصور دیا جو آج کے زمانے میں بھی مکمل کار گر ہے، جن کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور دنیا اعتراف کرنے پر مجبور ہے، زیر نظر مقالہ میں خدمت خلق کے تعلق سے قرآنی احکامات، نبوی فرمودات وخدمات وغیرہ اختصار کے ساتھ قلم بند کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کائنات میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے اپنے اور غیر سب کے ساتھ بلا کسی جبر و کراہ کے زندگی بسر کرنے کی راہیں استوار کرنے کی قیادت کی ہے۔

چند قرآنی آیات:

اللہ تبارک تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

☆نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۴۲)

☆صدقات فقیروں (غریبوں) اور مسکینوں کے لیے ہیں

(سورہ توبہ آیت نمبر ۶۰)

☆وہ مجرموں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ (مدثر ۴۱/۴۲)

☆اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو اور فلاح کے کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الحج/۷۷)

☆اے ایمان والو! اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو۔

(البقرہ/۲۶۷)

☆اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کرو، احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔ (البقرہ/۲۶۴)

☆(بے شک مراد کو پہنچے وہ) جو زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔

(المومنون/۴)

☆اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ۔ (الحج ۳۶)

رحمت عالم ﷺ کے چند فرمودات:

☆آپ ﷺ نے فرمایا "خیر الناس من ینفع الناس"

(ترمذی شریف)

یعنی انسانوں میں بہتر انسان وہ ہے جو انسانوں کو فائدہ پہنچائے۔

☆حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کا کونسا عمل بہتر ہے، فرمایا کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا، خواہ اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔

(بخاری شریف کتاب الایمان)

شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: مخلوق کو کھانا کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ سب مخلوق کو کھانا کھلاؤ، خواہ وہ مالدار ہو، خواہ وہ غریب ہو، خواہ شناسا ہو، خواہ غیر شناسا ہو، انسان ہو یا حیوان سب کو کھلاؤ۔

(نزہۃ القاری شرح بخاری جلد اصفحہ ۲۵۶)

☆حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں فرماتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔

(بخاری شریف، کتاب التوحید، مسلم، کتاب الفضائل)

☆حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، لہٰذا زمین والوں پر رحم کرو، آسمان کا خالق تم پر رحم کرے گا۔

☆حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم مکمل طور پر ایمان والے نہیں ہوگے جب تک کہ تم رحم نہ کرو، فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص رحم کرتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے وہ رحم اور ہمدردی مراد نہیں ہے جو تم میں سے کوئی اپنے قریب کے آدمی کے ساتھ کرتا ہے، یہاں اس رحمت عامہ کا ذکر ہے جو تمام انسانوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ (سالنامہ فکر ملت میرا روڈ ممبئی ۲۰۱۷ء صفحہ ۱۳۸، بحوالہ طبرانی، فتح الباری، ۳۳۷/۷)

☆حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ قیدی لائے گئے، قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کا پستان دودھ سے بھرا ہوا تھا، اور وہ دوڑ رہی تھی، اتنے میں ایک بچہ اس کو قیدیوں میں ملا اس نے جھٹ سے اپنے پیٹ سے لگالیا، اور اس کو دودھ پلانے لگی، ہم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم خیال کرسکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں، جب تک اس کو قدرت ہوگی یہ اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینک سکتی، نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔ (بخاری شریف، حدیث نمبر ۵۹۹۹)

☆حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یا جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اس وقت تک مسلمانوں کے کسی ایک

گھرانہ کی ضرورت زندگی پوری کروں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں حج پر خرچ کروں۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)

کتب سیر و تواریخ سے عیاں ہے کہ خود اللہ کے رسول ﷺ، آپ کے اہل بیت اور اصحاب ہمیشہ خدمت خلق میں پیش پیش رہتے تھے، اگر آپ ﷺ کے پاس صبح کے وقت لاکھوں دینار و درہم آجاتے تو شام ہوتے ہوتے وہ تقسیم کر دیتے، ضرورت مندوں کی لائن لگی ہوتی، اور آپ سب کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔

☆ مذکور ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی یہی طریقہ تھا، ایک بار آپ کے پاس بہت بڑی رقم آگئی اور شام تک سب صدقہ کر دیا، افطار کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا، اور خادمہ نے کہا کہ تھوڑا سا افطار کے لیے بچا لیتیں تو بہتر ہوتا، آپ نے فرمایا کہ پہلے یاد دلاتیں تو ایسا ہی کرتی۔

☆ مدینہ منورہ میں قحط پڑا تو داماد رسول حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی اونٹوں پر لدا ہوا مالِ تجارت خیرات کر ڈالا۔

☆ ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کے پورے سرمائے کا نصف سرمایہ بارگاہ رسول میں حاضر کر دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پورا سرمایہ لاکر پیش کر دیا، جب حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کہ اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا ہے تو جواب دیا کہ ان کے لیے اللہ اور رسول کافی ہیں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کتب تواریخ سیر میں آتا ہے کہ آپ بہت سخی تھے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام نے خدمت خلق کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی، خدمت خلق کے لیے آقائے دو عالم ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے عہد میں کنویں کھدوا کر ہر خاص وعام کے لیے وقف کروایا، یتیموں کی پرورش اور ضرورت مندوں کی خبر گیری، مسافروں کی خدمت اور راہگیروں کی حاجت برآری کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے تھے، سیرت مصطفی ﷺ پر لکھی جانے والی کتابیں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں، حضور سید عالم ﷺ کی خدمت خلق کے چند واقعات پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ حضرت طلحہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب بھی کوئی آدمی مدینہ منورہ حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں آتا اور مدینہ میں اس کا کوئی جاننے والا ہوتا تو وہ اس کا مہمان بن جاتا اور اگر کوئی جاننے والا نہ ہوتا تو حضرات اہل صفہ کے ساتھ ٹھہر جاتا، چنانچہ میں بھی صفہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور میں نے وہاں ایک آدمی کے ساتھ جوڑی بنالی، حضور سید عالم ﷺ کی طرف سے روزانہ دو آدمیوں کو ایک مد یعنی چودہ چھٹانک کھجوریں ملا کرتی تھیں۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲/ صفحہ ۲۵۷)

☆ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں ایک مرتبہ گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو حضور سید عالم ﷺ میرے پاس سے گزرے، آپ نے مجھے اشارہ فرمایا، میں اٹھ کر آپ کے پاس چلا گیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ہم دونوں چلنے لگے، یہاں تک کہ آپ اپنی زوجۂ محترمہ کے حجرے تک پہنچ گئے اور خود حجرے میں تشریف لے گئے اور پھر مجھے اندر آنے کی اجازت دی، میں اندر پردہ والے حصہ میں داخل ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا دوپہر کا کھانا ہے؟ گھر والوں نے کہا: ہاں ہے، چنانچہ روٹی کی تین ٹکیاں آپ کے پاس لائی گئیں جن کو کھجور کے پتوں کے دسترخوان پر رکھ دیا گیا، حضور سید عالم ﷺ نے ایک ٹکیہ اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی اور دوسری ٹکیہ اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی، پھر تیسری ٹکیہ اٹھا کر اس کے دو حصے کیے اور پھر آدھی ٹکیہ اپنے سامنے رکھے اور آدھی میرے سامنے۔

(حیاۃ الصحابہ جلد ۲/ صفحہ ۲۴۲)

یتیموں اور غریبوں کی خدمت:

☆ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار میں نے اپنی سنگدلی کے بارے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی! آپ ﷺ فرمایا: "یتیم پر رحم کرو، اس کے سر پر دست شفقت رکھو اور اپنے ساتھ کھانے میں شریک بنالو، تمھارا دل نرم ہو جائے گا، تمھاری حاجتیں پوری ہو جائے گی، حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں جو یتیم کے سر پر رضائے الٰہی کے لیے دست شفقت رکھتا ہے اس کے ہر بال کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، نیز فرمایا جو شخص یتیم بچے یا بچی پر احسان و رواداری سے پیش آتا ہے وہ جنت میں ایسے ہوگا جیسے میری انگلیاں قربت رکھتی ہیں۔" (زینۃ المحافل ترجمہ نزھۃ المجالس، صفحہ/ ۵۵۹)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غریبوں مسکینوں کے حق میں سب سے اچھے آدمی تھے، وہ ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ گھر میں ہوتا وہ ہمیں کھلا دیتے۔ الخ۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ/ ۲۴۶)

☆ حضرت محمد بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما صرف غریبوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے، اور ان کا کھانا اکثر غریب لوگ ہی کھا جایا کرتے تھے اور یہ بھوکے رہ جاتے، اس کی

وجہ سے ان کا جسم کمزور ہو گیا تھا، تو ان کی بیوی نے ان کے لیے کھجوروں کا کوئی شربت تیار کیا، جب یہ کھانے سے فارغ ہو جاتے تو وہ ان کو یہ شربت پلا دیتیں اور حضرت ابوبکر بن حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھانا تب کھاتے جب ان کے دستر خوان پر کوئی یتیم ہوتا۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیہ جلد ۱/ صفحہ ۱۵۴)

☆حضرت بشیر بن عقربہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا میرے والد کا حال کیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، میں یہ سن کر رو پڑا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ اپنی سواری پر سوار کر لیا اور فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمھارا باپ بن جاؤں اور عائشہ تمھاری ماں بن جائے۔

☆ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب بھی دوپہر کا یا رات کھانا کھاتے تو اپنے آس پاس کے یتیموں کو بلا لیتے، ایک دن دوپہر کا کھانا کھانے لگے تو ایک یتیم کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا لیکن وہ یتیم ملا نہیں، (اس لیے یتیم کے بغیر کھانا شروع کر دیا) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے میٹھے ستو تیار کیے جاتے تھے جسے وہ کھانے کے بعد پیا کرتے تھے، چنانچہ وہ یتیم آگیا اور یہ حضرات کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے ہاتھ میں پینے کے لیے جو ستو کا پیالہ پکڑا ہو تھا وہ پیالہ اس یتیم کو دے دیا اور فرمایا یہ لو۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲/ صفحہ ۲۴۷)

☆ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں نوے ہزار درہم پیش کیے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا چٹائی پر ان کو رکھ دو، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے تقسیم کرنے کے لیے خود کھڑے ہوئے۔ جو شخص بھی آیا اس کی جھولی بھر کر اسے واپس کیا، یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔ اس کے بعد ایک سائل حاضر ہوا، اس نے طلب کا دامن پھیلایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس تو اب کوئی چیز نہیں ہے البتہ ایسا کرو فلاں دکاندار کے پاس جا کر اپنی ضرورت کی چیزیں میرے نام پر خرید لو جب دکاندار میرے پاس آئے گا تو میں یہ رقم اسے ادا کر دوں گا، حضرت فاروق اعظم خدمت اقدس میں حاضر تھے آپ نے عرض کی۔ ،،یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کا مکلف نہیں کیا جس کی آپ میں قدرت نہیں ؛ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ایک انصاری وہاں حاضر تھے انہوں نے عرض کی ۔ــــ،،اے اللہ کے پیارے رسول! آپ بے دھڑک خرچ کریں اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ آپ کا رب جو عرش کا مالک ہے وہ آپ کو تنگ دست کر دے گا۔ اپنے غلام کی یہ بات سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ خوشی کے آثار رخ انور پر دکھائی دینے لگے اور فرمایا۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ حضرت معوذ بن عفراء سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں ایک بڑے طشت میں تازہ کھجوریں بھر کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاندی اور سونے کی مٹھی بھر کر مجھے عطا فرمائی۔

☆ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ،، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے۔"

☆بارگاہ رسالت میں ایک روز ایک آدمی حاضر ہوا اور سوال کیا۔ سرکار کے پاس کوئی چیز موجود نہ تھی۔ ایک دکاندار سے نصف وسق لیا۔ جس سے قرض لیا تھا وہ آدمی اپنا قرض مانگنے کے لیے حاضر ہوا۔ حضور علیہ السلام نے نصف وسق اسے واپس نہیں کیا بلکہ پورا وسق دیا۔ فرمایا نصف وسق قرض کی ادئیگی کے لیے اور نصف وسق تمہیں عطیہ دیا جاتا ہے۔

☆طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز بزاز کے ہاں تشریف لے گئے اور اس سے چار درہم کی قمیص خریدی۔ وہ قمیص پہن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے، ایک انصاری آگیا، عرض کی: یا رسول اللہ!"از راہ کرم یہ قمیص مجھے پہنا دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کا لباس پہنائے گا" رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا تامل وہ قمیص اتاری اور اس انصاری کو مرحمت فرما دی، پھر دکان پر تشریف لے گئے اور اپنے لیے چار درھم کی ایک اور قمیص خریدی۔

حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب گھر سے تشریف لائے تھے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس دس درہم تھے، آٹھ درہم خرچ ہو گئے باقی دو رہ گئے، اچانک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا ایک لونڈی راستہ پر کھڑی رو رہی ہے، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تم کیوں رو رہی ہو؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے گھر والوں نے مجھے درہم دئے تھے تاکہ ان سے آٹا خرید کر لاؤں، وہ مجھ سے گم ہو گئے ہیں، اس لیے رو رہی ہوں کہ گھر کی مالکہ مجھے سزا دے گی، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جو دو درہم باقی رہ گئے تھے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو عطا فرمائے، پھر کچھ وقفہ کے بعد اس بچی کی طرف دیکھا تو وہ رو رہی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا اب تم کیوں رو رہی ہو، درہم تو تم نے لے لیے ہیں، اس نے عرض کی میں ڈر رہی ہوں کہ

میرا مالک مجھے مارے گا، غریب نواز آقا علیہ السلام اس کے سفارشی بن کر اس کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ جب ان کے گھر باہر پہنچے تو حسب معمول اہل خانہ کو السلام علیکم فرمایا۔ انہوں نے آواز سن بھی لی، پہچان بھی لی کہ سلام دینے والے اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضور ﷺ نے دوبارہ سلام فرمایا پھر کچھ دیر کے لیے انتظار کیا لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ تیسری بار پھر حضور ﷺ نے سلام فرمایا اس وقت اہل خانہ نے سلام کا جواب عرض کیا۔ سرور عالم ﷺ نے پوچھا جب میں نے پہلی دفعہ تمہیں سلام کیا تھا تو تم نے سنا تھا؟ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ہم نے سنا تھا۔ ہم دانستہ خاموش رہے تاکہ حضور ﷺ ہمیں بار بار سلام فرمائیں اور حضور ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں آفت سے سلامت رکھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں ۔آپ نے کیسے قدم رنجہ فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ بچی ڈر رہی تھی کہ تم اسے مارو گے اس کی سفارش کے لیے میں اسکے ہمراہ آیا ہوا ہوں۔ اس بچی کے مالک نے عرض کی حضور ﷺ کے اس کے ہمراہ تشریف لانے کے باعث ہم نے اس لونڈی کو لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ کریم آقا نے انہیں بھلائی اور جنت کی خوشخبری دی، پھر حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ان دس درہموں میں بڑی برکت ڈالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی اس سے قمیص پہنائی ایک انصاری کو بھی قمیص پہنائی اور ایک لونڈی کو بھی اس کی وجہ سے آزاد کیا ۔"میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس نے اپنی قدرت سے ہمیں یہ رزق عطا فرمایا"۔ (ضیاء النبی، جلد ۵، صفحہ ۳۲۵)

یتیم پر احسان کا اجر و ثواب: مذکورہ قرآنی آیات و احادیث سے عیاں ہے کہ اسلام نے خدمت خلق کی ضرورت و اہمیت کو بہت پہلے سمجھ لیا تھا، اس لیے تو متعدّد احکام دیئے، حضور سرور عالم ﷺ نے ان احکام پر عمل کر کے انسانوں کے جذبۂ خدمت خلق کو منور فرما دیا، نیز یہ سلسلہ خیر جاری و ساری رہے اس کے لیے خدمت خلق کے عوض میں ملنے والے جزائے خیر بھی بتا چکے ہیں، مندرجہ ذیل روایات کو پڑھیں اور حضور ﷺ کی خدمت کے جذبات کو فروغ دینے کے مشن کو سمجھیں!

☆ ایک نہایت گنہگار آدمی نے ایک بار ایک یتیم کو کپڑا پہنا دیا، رات ہوئی تو خواب دیکھا، قیامت قائم ہے اور اسے اپنے برے اعمال کے باعث فرشتوں کو جہنم لے جانے کا حکم ملتا ہے، جب وہ دوزخ کے قریب پہنچا تو کیا دیکھا، وہ یتیم کہہ رہا ہے! فرشتو! اسے چھوڑ دو! یہ وہی شخص ہے جس نے مجھے کپڑا دیا تھا، اسے فرشتے کہیں گے ہم تو حکم کے بندے ہیں، معاً اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ ندا کرے گا! اے فرشتو اس یتیم کے خاطر اسے رہا کر دو۔

(زینۃ المحافل ترجمہ نزہۃ المجالس، از امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام، صفحہ ۵۶۰)

☆ ایک روایت میں مذکور ہے کہ: "نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب یتیم روتا ہے تو عرش الٰہی میں زلزلہ آجاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، فرشتو! اس یتیم کو کس نے ستایا ہے، اس کے باپ کو تو میں نے خاک میں چھپا دیا، فرشتے عرض کرتے ہیں! الٰہی تو ہی جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، فرشتو! گواہ رہو، جو اسے چپ کرائے گا، اس کی حوصلہ افزائی کرے گا روز قیامت میں اسے راضی کروں گا۔"

(زینۃ المحافل ترجمہ نزہۃ المجالس، از امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام، صفحہ ۵۵۹)

حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کی انسانی خدمات صرف اپنے صحابیوں یا چاہنے والوں کے لیے محدود نہ ہوتی تھی بلکہ کفار و مشرکین، پرند و اور دیگر حیوانات کی بھی خدمت کرتے تھے اور اپنے ابر رحمت و شفقت سے سیراب فرماتے تھے، اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ورنہ میں ضرور بتاتا کہ اسلام، والدین کی خدمت، پڑوسیوں کی خدمت، احباب کی خدمت، مزدوروں کی خدمت، بچوں کی خدمت، ضعیفوں کی خدمت، ناچاروں کی خدمت، بیکسوں کی خدمت، اپنوں کی خدمت، غیروں کی خدمت، مصائب و آلام سے دو چار افراد کی خدمت وغیرہ کی خدمت کا کس قدر مطالبہ کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کس درجہ تاکید کیا ہے، سر دست حضور ﷺ کے خدمت خلق کے وہ واقعات جو غیر مسلم اور غیر انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں حاضر خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حضور ﷺ کا غیر مومن کو کھانا کھلانا:

حضرت جہجاہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ آیا ہمارا ارادہ اسلام لانے کا تھا، (ابھی تک ہم لوگ ایمان نہیں لائے تھے) ہم لوگوں نے مغرب کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ پڑھی، سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا ہر آدمی اپنے ساتھ بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑ لے اور اسے اپنے گھر کھانے کے لیے لے جائے، چنانچہ تمام لوگوں کو صحابہ لے گئے، اور مسجد میں میرے اور حضور ﷺ کے علاوہ کوئی نہ بچا، چوں کہ میں لمبا تڑنگا تھا اس لیے مجھے کوئی نہ لے گیا اور حضور ﷺ مجھے اپنے گھر لے گئے، پھر حضور ﷺ میرے لیے ایک بکری کا دودھ نکال کر لائے میں وہ دودھ سارا پی گیا، یہاں تک کہ حضور

ﷺ سات بکریوں کا دودھ نکال کر لائے اور میں وہ سارا پی گیا، پھر حضور ﷺ پتھر کی ایک ہنڈیا میں سالن لائے میں وہ بھی سارا کھا گیا، یہ دیکھ کر حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (جوش محبت شوہر میں) کہا "جو آج رات حضور ﷺ کے بھوکے رہ جانے کا ذریعہ بنا ہے اللہ اسے بھوکا رکھے "حضور ﷺ نے فرمایا اے ام ایمن! خاموش رہو، اس نے اپنی روزی کھائی ہے اور ہماری روزی اللہ کے ذمہ ہے، صبح کو حضور ﷺ کے صحابہ اور باہر سے آئے ہوئے سب اکٹھے ہوگئے اور ہر مہمان کے پاس جو کھانا لایا گیا وہ بتانے لگا، میں نے کہا میرے پاس سات بکریوں کا دودھ لایا گیا اور میں وہ سارا پی گیا، پھر ایک ہنڈیا میں سالن لایا گیا میں وہ بھی سارا کھا گیا ،ان سب نے پھر حضور ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، سلام پھیرنے کے بعد آپ نے فرمایا ہر آدمی اپنے ساتھ بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑ لے اور اسے اپنے گھر کھانے کے لیے لے جائے، چنانچہ تمام لوگوں کو صحابہ لے گئے، اور آج بھی مسجد میں میرے اور حضور ﷺ کے علاوہ کوئی نہ بچا، میں لمبا تڑنگا آدمی تھا اس لیے مجھے کوئی نہ لے گیا، چنانچہ حضور ﷺ مجھے لے گئے اور مجھے ایک بکری کا دودھ نکال کر دیا، آج میں اسی سے سیراب ہوگیا اور میرا پیٹ بھر گیا، یہ دیکھ کر حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ کیا یہ ہمارا کل والا مہمان نہیں ہے، آپ نے فرمایا ہاں وہی ہے لیکن آج رات اس نے مومن کی آنت میں کھایا ہے اور اس سے پہلے یہ کافر کی آنت میں کھاتا تھا، کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔

(اخرجہ ابو نعیم فی الحلیہ/حیاۃ الصحابہ جلد ۲/صفحہ ۲۵۹)

☆حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک سال قحط پڑا، تو دیہاتی لوگ مدینہ منورہ آنے لگے، حضور ﷺ کے فرمانے پر ہر صحابی ان میں سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا اور اسے اپنا مہمان بنالیتا اور اسے رات کھانا کھلاتا، چنانچہ ایک رات ایک دیہاتی آیا، حضور کے پاس تھوڑا سا کھانا اور کچھ دودھ تھا، وہ دیہاتی یہ سب کچھ کھا پی گیا اور اس نے حضور ﷺ کے لیے کچھ نہ چھوڑا، حضور ﷺ ایک یا دو راتیں اور اس کو ساتھ لاتے رہے اور وہ ہر روز سب کچھ کھا جاتا، اس پر میں نے عرض کیا، یا اللہ! اس دیہاتی میں برکت نہ کریوں کہ یہ حضور ﷺ کا سارا کھانا کھا جاتا ہے اور حضور کے لیے کچھ نہیں چھوڑتا ہے ،پھر وہ مسلمان ہوگیا، اور اسے پھر حضور ﷺ ایک رات ساتھ لے کر آئے، اس رات اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا، میں نے حضور سے عرض کیا، کیا یہ وہی آدمی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں یہ وہی ہے لیکن پہلے کافر تھا اب مسلمان ہوگیا، کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲/صفحہ ۲۶۳ بحوالہ دار قطنی فی کتاب الاسخیاء کذا فی الاصابۃ، جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۵۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلا کسی امتیاز کے خدمت کرنا:

حضرت اسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں سخت قحط پڑا (جسے عام الرمادہ کہا جاتا ہے یعنی ہلاکت کا سال) تو ہر طرف سے عرب کھچ کر مدینہ منورہ آگئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ لوگوں کو ان کے انتظام اور ان میں کھانا اور سالن تقسیم کرنے کے لیے مقرر کیا، ان لوگوں میں حضرت یزید بن اخت نمر، حضرت مسور بن مخزمہ، حضرت عبد الرحمن بن عبد قاری اور حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، شام کو یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جمع ہوتے اور دن بھر کی ساری کارگزاری سناتے، ان میں سے ہر ایک آدمی مدینہ کے کنارے پر مقرر تھا اور یہ دیہاتی لوگ ثنیۃ الوداع کے شروع سے لے کر راتج قلعہ، بنو حارثہ، بنو عبد الاشہل، اور بنو قریضہ تک ٹھرے ہوئے تھے، بہر حال یہ لوگ مدینہ منورہ کے باہر چاروں طرف ٹھہرے ہوئے تھے، ایک رات جب یہ دیہاتی لوگ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں کھانا کھا چکے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے ہاں جو رات کا کھانا کھاتے ہیں ان کی گنتی کرو۔ چنانچہ اگلی رات گنتی کی تو ان کی تعداد سات ہزار تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا وہ گھرانے جو یہاں نہیں آتے ہیں ان کی اور بیماروں اور بچوں کی بھی گنتی کرو۔ ان کو گنا تو ان کی تعداد چالیس ہزار تھی

پھر چند راتیں اور گزریں تو لوگ اور زیادہ ہوگئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے پر دوبارہ گنا گیا تو جن لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں رات کا کھانا کھایا تھا وہ دس ہزار تھے اور دوسرے لوگ پچاس ہزار تھے۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بارش بھیج دی اور قحط دور فرمادیا، جب خوب بارش ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان انتظامی لوگوں میں سے ہر ایک قوم کے ذمّہ یہ کام لگایا کہ ان آنے والے لوگوں میں سے جو ان کے علاقے میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان کو ان کے دیہات کی طرف واپس بھیج دیں اور انہیں زاد راہ اور دیہات تک جانے کے لیے سواریاں بھی دیں اور میں نے دیکھا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہیں بھیجنے میں لگے ہوتے تھے۔ ان قحط زدہ لوگوں میں موتیں بھی بہت ہوئی تھیں۔ میرے خیال میں ان میں

سے دو تہائی لوگ مر گئے ہوں گے اور ایک تہائی بچے ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہت ساری دیگیں تھیں پکانے والے لوگ صبح تہجد میں اٹھ کر ان دیگوں میں کر کور پکاتے پھر صبح یہ دلیا بیماروں کو کھلا دیتے۔ پھر آٹے میں گھی ملا کر ایک قسم کا کھانا پکاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر بڑی بڑی دیگوں میں تیل ڈال کر آگ پر اتنا جوش دیا جاتا کہ تیل کی گرمی اور تیزی سے چلی جاتی، پھر روٹی کا ثرید بنا کر اس میں یہ تیل بطور سالن کے ڈال دیا جاتا (چونکہ عرب تیل استعمال کرنے کے عادی نہیں تھے) اس لیے کہ تیل استعمال کرنے سے ان کو بخار ہو جاتا تھا۔ قحط سالی کے اس تمام عرصے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ اپنے کسی بیٹے کے ہاں کھانا کھایا اور نہ اپنی کسی بیوی کے ہاں بلکہ ان قحط زدہ لوگوں کے ساتھ ہی رات کا کھانا کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے (بارش بھیج کر) انسانوں کو زندگی عطا فرمائی۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۳)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منفرد المثال میزبانی:

☆ حضرت ابو قتادہ روایت کرتے ہیں: ایک دفعہ نجاشی کی طرف سے ایک وفد آیا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کی مہمانداری اور خاطر مدارات کا انتظام کرنے لگے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں، ہم ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود کیوں تکلیف فرماتے ہیں، اس کریم آقا نے ارشاد فرمایا، (ترجمہ) "میرے صحابہ جب وہاں گئے تو ان لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی، میں چاہتا ہوں کہ میں ان کو اس خاطر مدارات کا خود صلہ دوں۔" (ضیاء النبی، جلد ۵ / صفحہ ۳۶۵)

☆ ایک روز ایک بدو خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ اسے کوئی چیز عطا کی جائے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت جو میسر تھا اسے دے دیا اور پوچھا، کیا میں نے تیرے ساتھ کوئی احسان کیا ہے؟ اعرابی بولا نہ آپ نے میرے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے اور نہ کوئی قابل تعریف بات کی ہے، اس کے اس گستاخانہ جواب کو سن کر اہل اسلام غصہ سے بھر گئے اور اس کی طرف دوڑے تاکہ اس گستاخ کا سر قلم کر دیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں سختی سے حکم دیا "رک جاؤ، کوئی آگے نہ بڑھے"

اس ارشاد کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے، بدو کو بھی بلا بھیجا، جب وہ حاضر ہوا تو اس کو مزید عطا فرمایا، اور اس کی جھولی بھر دی، پھر دریافت کیا، کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے، کہنے لگا نعم یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول آپ نے بڑا احسان فرمایا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، میرے اہل و عیال کی طرف سے بھی اور میرے قبیلہ کی طرف سے بھی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ جملہ سنا تو اسے فرمایا، تم نے پہلے جو بات کہی تھی اس سے میرے صحابہ کو بڑا دکھ ہوا، اگر تم پسند کرو تو یہی بات ان کے سامنے دہرا دو تاکہ ان کا رنج دور ہو جائے اور تیرے بارے میں ان کے سینے میں جو خلش ہے وہ نکل جائے، اس نے عرض کی بصد مسرت میں ان کے سامنے یہ جملہ دہرانے کے لیے تیار ہوں، دوسرے روز صبح یا عشا کے وقت وہ پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوا، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، اس اعرابی نے کل جو بات کہی تھی اور تم نے سنی پھر ہم نے اس کو مزید عطا فرمایا اور اس کی جھولی بھر دی، تو اس نے بتایا کہ وہ اب راضی ہو گیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ کہ تم راضی ہو گئے ہو، اس نے کہا، ہاں میں راضی ہوں، اللہ تعالیٰ میرے اہل و عیال اور قبیلہ کی طرف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہ جو آپ نے عطا فرمایا ہے یہ ان کے فقر و افلاس کو دور کر دے گا۔ (ضیاء النبی، جلد ۵ / صفحہ ۳۵۷)

حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک:

☆ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الادب المفرد" میں حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا، وہاں ایک چڑیا کا گھونسلا تھا، کسی شخص نے اس گھونسلے سے اس کے انڈے اٹھا لیے، وہ چڑیا آئی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر پر چکر لگانے لگی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کس نے اس کے انڈے اٹھا کر اسے تکلیف پہنچائی ہے؟ ایک صحابی نے عرض کی، انا یا رسول اللہ، یا رسول اللہ! انڈے میں نے اٹھائے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جاؤ اور اس کے انڈے اس کے گھونسلے میں رکھ دو۔ (ضیاء النبی، جلد ۵ / صفحہ ۳۶۲)

☆ حضرت عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: فتح مکہ کے موقع پر جب "عرج" کے مقام سے روانہ ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کتیا دیکھی، جس کے چھوٹے چھوٹے بچے اس کا دودھ پی رہے تھے اور وہ غرار ہی تھی، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ وہ اس کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لیے یہاں کھڑا رہے، تاکہ کوئی لشکری انہیں اذیت نہ پہنچائے۔ (ضیاء النبی، ج ۵، ص ۳۶۳)

قارئین! امریکہ کے سابق وزیر خارجہ کولن پاول کے مطابق: کرۂ

ارض کی نصف آبادی تقریباتین ارب انسان شدید غربت وافلاس کی زندگی گزار رہے ہیں، ایک ارب سے کچھ زیادہ صاف پانی سے محروم ہیں، دو ارب لوگ صحت وصفائی کے مناسب انتظام سے محروم اور بجلی کی قلت سے دو چار ہیں۔(دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کے معصوم شکار صفحہ ۳۵۰)

فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن کے ۷ر جنوری ۲۰۰۵ء کو جاری کردہ بیان سے پتا چلتا ہے کہ قرن افریقہ کے ایک کروڑ دس لاکھ انسان موت کے منہ میں جانے والے ہیں۔ (ایضا)

ایسی صورت میں ہمیں اپنے آقا ﷺ اور ان کے متبعین کی اتباع کرتے ہوئے حسب سابق خدمت خلق کرتے رہنا چاہیے، یہ سچ ہے کہ ہماری خدمات کو دنیا کبھی اچھی نظر سے دیکھتی ہے اور کبھی بری نظر سے دیکھتی ہے بلکہ موقع مل جائے تو انہی خدمات کو کچھ کا کچھ نام بھی دیتی ہے، مگر پھر بھی حق پسندوں کی اکثریت یہ ماننے پر مجبور ہے کہ اگر آج بھی مصطفوی فرمان کے مطابق ایمادارانہ خدمتِ خلق کی جائے تو جنگ زدہ ممالک ہوں یا پھر مظلوم فلسطینی، افغانی خواتین ہوں یا پھر میانماری پریشان حال، آسامی بچے ہوں یا پھر ایک ایک روٹی کو ترس رہے افریقی وصومالی معصوم بچے، غرض کہ چمن انسان کا ہر پودا سرسبز وشاداب نظر آئے گا۔ بدقسمتی سے آج فیاضی کا کٹورہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی ہے جن کی وجہ سے دنیا غربت وافلاس کی چکی میں پستی جارہی ہے اور اگر یہ سلسلۂ بدیوں ہی جاری رہا تو مستقبل قریب میں دنیا میں غریبوں کی تعداد مزید بڑھے گی جو ایک مہذب دنیا کے لیے فال بد ہوگی۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے جذبۂ خدمت خلق کے ساتھ پھر میدان عمل میں آئیں اور پوری ایمانداری سے آئیں، قانونی اور ملکی ضوابط کے تقاضوں کی خانہ پوری کرتے ہوئے آئیں اور سسکتی انسانیت کی امداد کریں، اس لیے کہ زمین ہمارے خدا کی ہے، خلقِ خدا ہمارے معبود کی مخلوق ہے، مسجدوں کے قریب بیت المال بنائیں، معاشرے کے غریبوں، فقیروں اور مسکینوں، اسکول میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات کی امداد کریں، راہ گیروں اور مسافروں کی امداد کریں، اپنے بیٹوں سے پریشان ضعیف بزرگوں کی امداد کریں، ہر گھر کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کے لیے جدوجہد کریں، مجھے یقین ہے کہ اس سے ہمارا معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جائے گا، پھیلی ہوئی نفرتوں کی فضائیں اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہوگی، فکرو افسردگی کے بادل چھٹ جائیں گے، ظلم وبربریت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت خلق کرنے کی توفیق دے۔ ☆☆☆

(ص:۱۸ کا بقیہ) تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کا سلوک ورویہ جتنا اپنوں کے ساتھ نرم ہوتا تھا اتنا ہی غیروں کے ساتھ بھی نرم وہلکا ہوتا تھا۔ ان کا گفتار وکردار، وضع وقطع اور فکر ومزاج دیگر قوموں سے علاحدہ اور جداگانہ ہوتا تھا، جو انہیں دیگر اقوام وملل پر ممتاز کردیتا تھا۔ یہیں وہ تمام اوصاف تھے جن کے سبب وہ انتہائی عروج وارتقا کے مقام پر فائز تھے۔ لیکن تواریخ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب جب جس قوم میں بدتہذیبی اور بداخلاقی کی روایات پروان چڑھیں تو اس قوم کو زوال وانحطاط نے ایسا آگھیرا کہ جلد ہی وہ اپنے انجام کو پہنچ گئی اور اپنے نصیبے پر گریہ وزاری اور ماتم کرنے لگی۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ قومِ مسلم اخلاقی وتہذیبی انحطاط میں مبتلا ہے۔ دن بدن اپنے اخلاقی قدروں اور اسلاف کے نقوش کو کھوتی جارہی ہے، جس کے نتائج ہم معاشرے میں عملی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ معاشرے کے بزرگوں کا اپنے چھوٹوں پر مشفقانہ برتاؤ ختم ہوچکا، چھوٹوں میں اپنے بڑوں کے احترام وعزت کا جذبہ باقی نہ رہا، نوجوان شنیع وقطیع حرکتوں کے عادی ہوچکے، اساتذہ ووالدین کی خدمت واطاعت بھی مغربی تہذیب کی بھینٹ چڑھ چکی۔ اس کے علاوہ خواتین غیر اسلامی رسومات وروایات میں گم ہوگئیں۔ گویا معاشرہ بے شمار اخلاقی برائیوں میں گھر چکا ہے، جس کا اثر قومِ مسلم کی آنے والی نسلوں پر پڑتا دکھائی دے رہا ہے۔ کل تک قوم مسلم اپنے اخلاق وآداب اور افعال وکردار سے جانی جاتی تھی۔ لیکن آج انہیں کے احوال وافعال، اخلاق وآداب اور گفتار وکردار پر دیگر قومیں انگلیاں اٹھارہی ہیں۔ اغیار کو اسلام اور اس کی تعلیمات پر لب کشائی اور انگشت نمائی کا موقع ملنے لگا ہے جو ہمارے لیے انتہائی تشویش کا باعث ہے۔

معاشرے کو اس اخلاقی زبوں حالی سے باہر نکالنے کے لیے موثر طریقۂ کار بس یہی ہے کہ ہم میں کا ہر شخص باادب، بااخلاق اور مہذب بنے، معاشرے کے ہر چھوٹے بڑے کا پاس ولحاظ رکھے اور ہر ایک کے ساتھ خوش روئی وخوش خلقی سے پیش آئے۔ اسی طرح قوم کے چھوٹے بچوں کو دینی، اخلاقی اور اصلاحی ماحول میں تعلیم وتربیت دے، انہیں اپنے بڑوں کا احترام وادب سکھائے اور خود بھی اسلامی آداب واصول کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارے اور اپنی اولاد کی تربیت ونگہ داشت بھی اسی طریقے پر کرے جس سے آنے والی نسلوں پر بھی اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں۔ یقیناً یہ وہ کام ہیں جن سے معاشرے میں تبدیلیاں آئیں گی اور اس طرح ایک صحت مند معاشرہ تشکیل پائے گا۔ ***

زائرین حرمین شریفین

اور ان کی ذمہ داریاں

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ صاحب استطاعت کے لیے عمر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ ۸ ہجری میں حج فرض ہوا اسی سال نبی کریم ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر الحجاج بنایا اور تین سو صحابہ کرام کو ان کے ساتھ کیا تاکہ سب کو حج کرائیں۔ ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ کیا کہ وہ سورہ توبہ کا اعلان کریں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کرایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ برأت، سورہ غضب یعنی سورہ توبہ (اور بھی نام ہیں) کی پہلی چالیس آیتوں کو مع احکام سب کو پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا اور کوئی برہنہ (ننگا) ہوکر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرسکے گا اور نہ اندر داخل ہونے پائے گا۔

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ جملہ اطراف میں اطلاع بھیج دی گئی کہ نبی کریم ﷺ حج کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد کثرت اژدحام خلقت مدینہ طیبہ میں جمع ہوگئی۔ اس جم غفیر میں ہر درجہ ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ ۲۶/ ذیقعدہ ۱۰ھ، شنبہ (سنیچر) کا دن تھا۔ حضور ﷺ نے نماز ظہر مدینہ شریف کی مسجد میں ادا فرمانے کے پہلے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو ارکان حج کی تعلیم فرمائی۔ احرام باندھنے کے بعد جب اونٹنی پر سوار ہوئے تو پہلی مرتبہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ (ترجمہ: میں حاضر ہوں، اے میرے رب میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور ساری بادشاہی میں بھی، تیرا کوئی شریک نہیں) تلبیہ پڑھا اور حج پر روانہ ہوئے۔

حج اللہ کی بہت اہم عبادت ہے: یوں تو عبادت کے اور بھی طریقے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ اور زکوٰۃ مگر حج کی اہمیت یہ ہے کہ نماز روزہ صرف جانی عبادت ہے، اس میں پیسہ خرچ نہیں ہوتا، زکوٰۃ صرف مالی عبادت ہے، اس میں جسمانی محنت نہیں ہوتی۔ حج جانی اور مالی دونوں عبادت ہے۔ اس کے سفر میں پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور ارکان کو ادا کرنے میں محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ آجکل ارکان حج ادا کرنا انتہائی دشوار ہوگیا ہے۔ مجمع اتنا کثیر ہونے لگا ہے کہ سارے انتظامات کے باوجود ارکانِ حج کی صحیح ادائیگی جہاد سے کم نہیں۔ لہٰذا جن پر حج فرض ہو وہ حج کی ادائیگی کا عزم کرکے فرض کی ادائیگی جلد سے جلد کرلیں۔ یہی شان بندگی ہے۔ نہ جانے آگے کیا حالات آئیں۔ کمال و زوال زندگی کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جیسے ہی آدمی صاحبِ استطاعت ہو اس وقت اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ حج کو نہیں جاتا تو گنہگار ہوتا ہے۔ مسئلہ ہے کہ جب حج کے لیے جانے پر قادر ہو، حج فوراً فرض ہوگیا۔ یعنی اسی سال میں اور اب تاخیر گناہ ہے اور چند سال تک نہ گیا تو فاسق ہے اور اس کی گواہی مردود، مگر جب کرے گا ادا ہی ہے قضا نہیں۔

(در مختار، ردالمختار، کتاب الحج، جلد ۳، صفحہ ۲۰، بہار شریعت جلد ۶، صفحہ ۱۰۳۶)

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے (حج فرض تھا اور باوجود استطاعت کے) حج نہ کیا اور مرگیا اسے کہہ دو کہ یہودی مرے یا نصرانی مرے۔ (ترمذی)

حج کا حکم: حج ان ہی لوگوں پر فرض کیا گیا جو مکہ مکرمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور زندگی میں صرف ایک بار فرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔

ترجمہ: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہے وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس کا انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

(القرآن سورہ آل عمران، آیت ۹۷)

حج کے بارے میں قرآن مجید میں کئی طرح سے احکامِ الٰہی موجود

امام مسجد ہاجرہ رضویہ اسلام نگر، کپالی، جمشید پور (جھارکھنڈ)

ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ کو بارگاہ رب العزت سے حکم ہوا:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔

(ترجمہ: اور عام طور پر لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ اس بیت اللہ کے حج کو پیدل اور دبلے اونٹوں پر سوار ہوکر دور دراز کی مسافت طے کر کے آئیں۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:

يَبْلُغُ صَوْتِي (میری آواز نہیں پہنچے گی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلَيْكَ الْاَذَانُ وَعَلَيْنَا الْبَلَاغُ۔

(تیرا کام پکارنا ہے اور پہنچا دینا ہمارا کام ہے)

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر کھڑے ہوکر پکارا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ قَدْ بَنٰى لَكُمْ بَيْتًا وَّ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَاَجِيْبُوْا رَبَّكُمْ.

(اے لوگو! تمھیں تمھارے پروردگار نے تمھارے لیے گھر بنایا اور تم پر حج فرض کیا۔ پس خدا کے حکم کی تعمیل کرو)

یہ پتھر آج تک موجود ہے اور مقامِ ابراہیم کہلاتا ہے۔ اس کا ذکر جمیل بھی قرآن میں موجود ہے۔ جن نیک پاک روحوں نے پکارنے پر لبیک جتنی بار کہا ان کو اتنی ہی بار حج کی سعادت نصیب ہوگی۔

بہت سارے مسلمان ایسے ہیں جن کو دولت، صحت اور جوانی اللہ نے دی ہے مگر وہ فریضہ حج کو ٹالتے رہتے ہیں۔ بڑھاپے میں حج کو جاتے ہیں۔ اس وقت حج کے ارکان ان سے صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہوتے۔ حج بلا شبہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے فراغت چاہتا ہے مگر زندگی کا کیا بھروسا ہے۔ جب وسائل موجود ہوں تو فرصت نکال کر ہر مسلمان کو یہ فریضہ ادا کر لینا چاہیے۔ بعض دولت مند مسلمان ایسے ہیں جن پر حج فرض ہے مگر وہ حج نہیں کرتے۔ سنگاپور، انگلینڈ اور یورپ کے شہروں میں سیر و تفریح اور اپنے تجارتی سفر پر جاتے ہیں مگر حج بیت اللہ کے لیے نہیں جاتے۔ ویسے لوگوں کے لیے اکبر الہ آبادی نے طنزیہ کہا ہے۔

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

قبول حج کے لیے تین شرطیں ہیں: حاجی اپنے حج سے جہاں روحانی لذت حاصل کرتا ہے وہیں اخلاقی تربیت بھی حاصل کرتا ہے کیونکہ اسے حکم دیا گیا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ.

ترجمہ: جس نے ایام حج میں فریضہ حج ادا کیا وہ حج میں بے حیائی، برائی اور جھگڑا لڑائی نہ کرے۔ (القرآن سورہ البقرہ، آیت ۱۹۷)

عام دنوں میں بھی حاجی کو ان تینوں باتوں سے نہایت دور رہنا چاہیے۔ جب غصہ آئے یا جھگڑا ہو یا کسی گناہ کا خیال آئے تو فوراً سر جھکا کر دل کی طرف متوجہ ہوکر اس آیت کی تلاوت کرے اور لاحول شریف پڑھے۔ یہ باتیں جاتی رہیں گی انشاء اللہ۔ بے سبب الجھنے، لعن وطعن سے بچتا رہے۔ خدا نہ خواستہ ایک دو جملہ میں ساری محنت اور روپیہ برباد ہوجائے۔ خصوصاً اہلِ حرمین اور اہلِ مدینہ کے افعال پر اعتراض نہ کرے نہ دل میں کدورت لائے۔ اس میں دونوں جہان کی سعادت ہے۔ ذکرِ الٰہی بکثرت کرے۔ تلاوت قرآن کثرت سے کرے اور ہر وقت خوف خدا دل میں رکھے۔ غصہ سے بچے، لوگوں کی بات برداشت کرے، بیکار باتوں میں نہ پڑے۔ تلبیہ پڑھنا، احرام باندھنا، کعبہ کے چکر لگانا، صفا و مروہ کی دوڑ لگانا، عرفات کے میدان میں دن گزارنا، مزدلفہ کی وادی میں رات گزارنا، شیطان کو کنکری مارنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے مناسک حج ہیں جن کا تعلق صرف عمل کرنے سے ہے۔ جن بندوں نے حج کیا وہ اللہ کی عطا کردہ اس لذت سے واقف ہیں۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے مابین گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ کوئی بدلہ نہیں سوائے جنت کے۔ (بخاری، باب العمرہ، باب وجوب العمرہ و فضلا، جلد ایک حدیث ۱۸۸۳۔ بہارِ شریعت جلد ۳، صفحہ ۵۸۶، حدیث ۱۰۳۱)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَاجُ وَفَدَاللهِ يُعْطِيْهِمْ مَاسَأَ لُوْ اَوْ يَسْتَجِيْبُ لَهُمْ مَادَعَوْ.

(ترجمہ: حج کرنے والے خدا کے قاصد ہیں وہ جو مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔)

آدابِ حج میں ہے خالص اللہ کے لیے حج کرے۔ ارشاد باری ہے:

وَاَتِمُّ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

ترجمہ: حج و عمرہ اللہ کے لیے کرو۔ (القرآن، سورہ البقرہ، آیت ۱۹۶)

سفرِ حج سے مقصود صرف اللہ ورسول کی رضا ہو، ریا و سمعہ فخر سے

دور رہے۔

حج کی حضوری کے بعد: اللہ کا احسان وکرم ہے کہ اس نے حرمین کی حاضری نصیب فرمائی۔ مَنْ زَارَ تربتی وجبت لَهٗ شِفَاعَتِی۔ حج مکمل کرایا اب واپس سفر کا ہے۔ اب حاجی کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ حرم میں اللہ نے اسے ہر قدم پر سات سو کروڑ نیکیاں عطا فرمائیں۔ (حدیث) اور حج جیسی گرانقدر نعمت سے سرفراز فرمایا تو حاجی کے مرتبہ کے کیا کہنے۔ بخاری ومسلم وترمذی وابن ماجہ ان ہی سے راوی ، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جس نے حج کیا اور فث (فحش کلام) نہ کیا اور فسق نہ کیا تو گناہوں سے پاک ہوکر ایسا لوٹا اس دن کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ دوسری حدیث اس طرح ہے۔

وَالْحَجَّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ

اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہے (صحیح بخاری، کتاب الحج، ترغیب وترہیب، کتاب الحج والعمرہ، باب فصل الحج، مسلم۔۔۔۔ الخ الحدیث ۱۰۲۱، جلد اول صفحہ ۱۲، الحدیث ۲، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳)

حاجیوں پر انعاماتِ الٰہی کا شمار ناممکن ہے۔ لہٰذا حاجیوں کی ذمہ داری بھی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور اب ان کی محبت صرف اللہ اور اس کے رسول سے ہونی چاہیے اور رب تعالیٰ کی محبت کا غالب ہونا شرعاً بھی مطلوب ہے، کمال ایمان ہے اور حاجی کی ترقی کا ذریعہ بھی ہے۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔

ترجمہ: اور جو مومن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔ (القرآن)

محبت کا اظہار اس کے ظاہری کردار وعمل سے ہونا چاہیے۔ احکامِ الٰہی کی پابندی انتہائی ضروری ہے۔ آجکل بہت سے حضرات سالوں سال سے حقوق اللہ کی پامالی کرتے، نماز روزہ اور زکوۃ وغیرہ ادا نہیں کرتے اور حقوق العباد کی تو بالکل ہی پروا نہیں کرتے۔ کسی کی زمین ہڑپ لی کسی کا مال دبالیا اور پڑوسی ورشتہ داروں کو خوب ستاتے ہیں۔ پھر حج کرآتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب کچھ معاف ہوگیا۔ نہ اب چھوٹی ہوئی نمازیں پڑھنی ہیں نہ بندوں کے حقوق معاف کرانا ہے۔ یہ حاجیوں کی سخت غلطی ہے۔ حج سے قضا ہوئی نمازیں اور روزے ہرگز معاف نہیں ہوتے اور نہ ہی آئندہ کے لیے آزادی کا پروانہ مل جاتا ہے۔ یہ حاجیوں کی سخت غلطی ہے۔

(انوار الحدیث صفحہ ۲۲۳، مصنف فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی)

بلکہ قبول حج کی نشانی ہی یہ ہے کہ حاجی پہلے سے زیادہ عمل میں پکا اور اچھا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَا سِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ ترجمہ: پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو، بڑائی کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکرِ الٰہی کرو۔

عربوں کی ایک جاہلانہ رسم کی تردید کی جارہی ہے۔ وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو بیت اللہ کے پاس مجلسیں منعقد کرتے جن میں وہ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے، بڑائی کرتے، تعریفوں کے پُل باندھا کرتے تھے۔ حکم ہورہا ہے کہ اپنے رب کریم کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو ذوق وشوق سے یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کو یاد کرو۔

(تفسیر ضیاء القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۳۸۔۱۳۹)

حاجیوں پر اضافی ذمہ داری دے دی گئی ہے کہ پہلے سے زیادہ اللہ کا ذکر وعبادت کرو۔ لہٰذا اس بات کا خاص خیال رکھیں اور حتی الامکان احکامات الٰہی اور اسلامی شعار کی پابندی کریں، گناہوں سے بچیں بعض گناہ عوام الناس بلکہ خواص میں بھی عام ہوچکے ہیں۔ افسوس اور شرم کی بات یہ ہے کہ لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ لوگوں کے حقوق کی پامالی جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، فوٹو کھینچنا کھنچوانا اور موبائل پر بلا دریغ بھیجنا وغیرہ۔ استغفر اللہ! گناہ گناہ ہے بچنا لازم ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

غیبت کی مذمت میں قرآن مجید میں موجود ہے۔ بلا ضرورت شرعی فوٹو کھنچوانا حرام ہے۔ تمام علما کا اتفاق ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ فرمانِ مصطفی نقل فرماتے ہیں:

ہر تصویر بنانے والا جہنم میں ہے اور ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی تھی اللہ عزوجل ایک مخلوق پیدا کرے گا جو اسے عذاب کرے گی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۱، صفحہ ۴۲۷)

تصویر لینا دینا، بھیجنا ایک عام وبا کی طرح پھیل گیا ہے۔ حتی کہ حرمین شریفین میں تصویر کشی اور ویڈیو گرافی کررہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ کیا یہ حرم شریف اور کعبہ کے تقدس کو مجروح کرنے والا عمل اور عند اللہ قابل گرفت عمل نہیں ہے؟ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔ بے شک رب کی پکڑ بہت مضبوط ہے۔ (القرآن، سورہ مائدہ، آیت ۲)

..........................(باقی ص:۳۶ پر)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت و تاج الفحول

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاری علیہ الرحمۃ کی تصنیفی خدمات

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی علیہ الرحمۃ ایک باکمال و بے مثال عالم، عالی مرتبت مدرس، مرجعِ انام مفتی، یگانہ روزگار مصنف، باذوق محقق و مدقق اور اپنے دور کے اکابر علما میں نمایاں تھے، آپ کی ساری زندگی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں بسر ہوئی۔ آپ کو حضرت مولانا شاہ محمد عبید اللہ مکی بدایونی [۱۳۱۵ھ/ ۹۸-۱۸۹۷ء] ابن حضرت مولانا عبد اللہ مکی قادری ابن حضرت شیخ عبد الکریم مکی رَحمۃُ اللہِ تعالیٰ عَلَیہِم (جو کہ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم اور استاذ الاساتذہ تھے، کبار علمائے حرمین شریفین سے اخذ علوم کیا، تصوف کی کتابیں سیف اللہ المسلول مولانا شاہ معین الحق فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ سے پڑھیں) سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی و اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی رَحمۃُ اللہِ تعالیٰ عَلَیہِما سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ دو اور تین جنوری کی درمیانی رات ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء میں ۶۵ یا ۷ برس کی عمر میں کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ) میں آپ کا وصال ہوا اور اسی جگہ دفن ہوئے۔[۱]

ذیل میں حضرت ہزاروی کی تصنیفی خدمات کا مختصر سا تعارف پیشِ خدمت ہے۔

آثارِ علمیہ: مولانا ہزاروی جہاں عالی مرتبت مدرس اور مرجعِ انام مفتی تھے، وہیں آپ ایک منجھے ہوئے مصنّف و قلم کار بھی تھے، آپ کے مقالات اہلِ سنت کے مؤقر جریدہ "تحفہ حنفیہ[۲]" پٹنہ میں شائع ہوتے رہے ہیں، ماہنامہ تحفہ حنفیہ مولانا ابو المساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت کی ادارت میں جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ کو محلہ لودی کٹرہ پٹنہ میں جاری ہوا اور عرصہ دراز تک مسلکِ اہلِ سنت کی ترجمانی پوری بے باکی سے کرتا رہا، اس جریدے میں اہل سنت کے نامور شیوخ و علما کے رسائل، مقالات، مراسلات اور فتاویٰ جات شائع ہوا کرتے تھے، جن میں اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]، حضرت علامہ مولانا ابو الذکا شاہ محمد سلامت اللہ رام پوری [۱۳۳۸ھ]، ملک العلما حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین محدث بہاری [۱۹ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ]، حضرت علامہ مولانا سید فرزند حسین اجھوئی الہ آبادی اور حضرت علامہ مولانا محمد عمر الدین ہزاروی [۱۳۴۹ھ] وغیرہم اجلہ علما کے گراں قدر رسائل، مقالات، مضامین فتاویٰ جات بھی شائع ہوا کرتے تھے۔

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی کثیر التصانیف عالم تھے، اب تک آپ کے جن فتاویٰ و رسائل تک رسائی ہو سکی ہے، ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

(۱) فتوی العلماء بتعظیم آثار العظماء:

یہ رسالہ ماہنامہ تحفہ حنفیہ۔ پٹنہ، جمادی الاخریٰ ۱۳۱۸ھ کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، جسے شائع ہوئے اب تقریباً ۱۱۹ برس بیت چکے ہیں۔ کل گیارہ/۱۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ماہنامہ مذکورہ کے صفحہ ۱۷ تا ۲۸ پر موجود ہے۔ یہ رسالہ دراصل ایک ایسے سائل کے استفتا کے جواب پر مشتمل ہے جسے حضرت علامہ مولانا عبد الحی لکھنوی و امام اہل سنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہما الرحمہ کی کتب میں موجود مسئلہ "تعظیمِ نقشۂ کعبۂ معظّمہ و نقشہ روضہ مقدسہ" میں تعارض و تناقض محسوس ہوا تھا، اس نے رفعِ تعارض کے لیے علامہ ہزاروی کا دروازہ کھٹکھٹایا، جس پر آپ نے یہ رسالہ قلم بند فرمایا تھا۔

اخیر رسالہ میں "حضرت علامہ محمد عبد المقتدر قادری بدایونی، حضرت علامہ عبد القیوم قادری بدایونی، تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر قادری بدایونی، حضرت علامہ عبد الغفور، حضرت علامہ قاضی اسمٰعیل جلمائی شافعی، حضرت علامہ مرزا محمد، حضرت علامہ حسن بن نور محمد، حضرت علامہ سید مرتضیٰ میاں بن سلطان میاں، حضرت علامہ مرید احمد، حضرت علامہ محمد یعقوب اسمٰعیل، حضرت علامہ محمد نذیر المعروف بنذیر احمد خان رام پوری، حضرت علامہ عبد الرحیم، حضرت علامہ عبد الکریم، حضرت علامہ محمد عبد الرشید، حضرت علامہ محمد عمر" رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تقاریظ و تصدیقات سپردِ قرطاس ہیں۔[۳]

(۲)فتوی الثقاۃ بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوۃ:

یہ رسالہ ایک استفتا کے جواب پر مبنی ہے۔ استفتا یہ تھا کہ:

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شہر میں بارش نہ ہونے کے باعث لوگ بہت پریشان ہوئے اور کئی روز تک دعا کرتے رہے، آخر اللہ تعالی نے ان کی دعا کی قبولیت کو ظاہر فرمایا یعنی، خمیس کے روز سے خوب بارش برسنا شروع ہوئی، دوسرا روز جمعہ کا تھا، جامع مسجد میں امام صاحب کے فرمانے سے تمام مسلمانوں نے جمعہ کے بعد سجدہِ شکر کیا، مگر دو شخصوں نے نہیں کیا اور عام مسلمانوں کے سخت مخالف ہوئے اور ان کے اس سجدہِ شکر کے باعث مخالفت کرنے لگے، پس اس صورت میں عام مسلمان حق پر ہیں یا یہ دو شخص؟ بیّنوا و توجروا“(۴)

اس کے جواب میں حضرت ہزاروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”صورتِ مسؤلہ میں عام مسلمان حق پر ہیں اور وہ دو شخص خطا پر، تفصیل اس اجمال کی بقدر ضروری یہ ہے کہ۔۔۔“(۵)

اور پھر کتبِ حدیث و فقہ کی روشنی میں مسئلہِ مذکورہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ یہ رسالہ ماہنامہ ”تحفہ حنفیہ“ میں جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ میں، باہتمام مولانا محمد عبد الوحید مدعو بہ غلام صدیق حنفی فردوسی ”مطبع حنفیہ“ سے شائع ہوا اور مذکورہ ماہنامہ کے صفحہ ۲۹ تا ۳۶ پر موجود ہے۔

اخیرِ رسالہ میں، افضلِ علمائے اہل سنت تاج الفحول محبِّ رسول مولانا عبد القادر قادری بدایونی، مولانا عبد القیوم قادری بدایونی، مولانا عبد الغفور، مولانا حسن بن نور محمد اور مولانا نجف علی خان رامپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین کی تقاریظ و تصدیقات ہیں۔(۶)

(۳)ھدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود:

زیرِ تذکرہ رسالہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مشہور فقہی مسئلہ مفقود الخبر کے بارے میں ہے، یہ رسالہ ایک استفتا کا جواب ہے، استفتا یہ ہے:

سوال از جیت پور:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک شخص پردیس گیا، ایک دو برس وہاں رہا، پھر گم ہو گیا، اُس کی کوئی خبر نہیں دیتا، اُس کو چار پانچ برس ہو گئے ہیں، وہ غائب ہو گیا ہے، اُس کا کوئی پتہ بھی نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ ہے اور اُس کی عورت، جوان ہے، اپنے نفس پر قابو نہیں اور زنا میں گرفتار ہونے کا بھی خوف ہے اور اُس شخص کا کہیں نام و نشان نہیں ہے، اب اس کی عورت جوان ہے، دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور کتنی مدت بیٹھی رہے اور ضرورت کے وقت کیا حکم ہے؟ بیّنوا و توجروا۔(۷)

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مذکورہ مسئلہ کے جواب میں درجنوں کتبِ احادیث و فقہ سے مسئلہِ مذکورہ پر استشہاد فرمانے کے بعد اخیر رسالہ فرماتے ہیں:

”صحیح اور معتمد قول یہ ہے کہ منقطع الخبر کی عورت کے نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے اور اسی طرح جس غائب کا حال یسر و عسر معلوم نہیں ہے اس کے نکاح کا فسخ بھی جائز نہیں بلکہ اگر گواہ گواہی دیں کہ وہ مفلس ہو کر غائب ہوا ہے جب بھی فسخ جائز نہیں، ہاں! جب گواہ گواہی دیں کہ وہ بالفعل محتاج ہے، نفقہ دینے سے عاجز ہے، تو اس کا فسخ ہو سکے گا، ورنہ نہیں۔“(۸)

رسالہ کا سرورق اس طرح ہے:

حمد و سپاس رب معبود

کہ مسئلہِ مفقود الخبر کی تحقیقِ انیق، پسندیدہِ اولی الالباب و تنقیحِ دافعِ وہم و ارتیاب، منوّر بنور دلائلِ سنت و کتاب اور ایک فتوے قاضی جی کا دندان شکن جواب، محلی بحلیہِ صدق و صواب، لائقِ مطالعہِ حضراتِ اہلِ سنت و جماعت، قابلِ معاینہِ علمائے عالی مرتبت

مسمّی باسم محمود

ھدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود

از تالیف منیف و مسعود

عالمِ اجل، فاضلِ الجبل، قامعِ بدعت، قاطعِ ضلالت، یادرِ سنت، حضرت مولانا و سیدنا مولوی مفتی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی صِینَ عن شرورِ الغویّ

بفرمائش: حامیِ سنت، ماحیِ بدعت، جناب حافظ عبد الحلیم صاحب کریالوی امام مسجد مستری محلہ بمبئی زِیْدَ مجدُھم السّامی

باہتمام: ضیاء الدین المکنی بابی المساکین پیلی بھیتی -تجاوَزَ عنہ المولی الغفّار جمیعَ الخطایا والاوزارِ

مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ سے شائع ہوا۔(۹)

رسالہ ہذا کل بیس ۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے، صفحہ پندرہ تا بیس علما و مشائخ کی تقاریظ سے مزیّن ہے۔

مقرّظین میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی، تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی، حضرت مولانا مطیع الرّسول عبد المقتدر قادری بدایونی، حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان بریلوی، مولانا محمد بشیر الدین، مولانا عبد الغفور، مولانا محمد فیروز الدین، مولانا

فضل احمد قادری بدایونی، مولانا محمد عبدالرزاق بن الحاج عبدالرحیم، مولانا محمد برکات احمد، مولانا حافظ عبدالحلیم کریالوی شامل ہیں۔ [10]

رسالہ کے اخیر میں مدیر ماہنامہ "تحفہ حنفیہ" و مہتمم "مطبع حنفیہ" مولانا ابوالمساکین ضیاء الدین پیلی بھیتی کی بہت توجہ طلب "گزارش" بھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضرات اس دور آخر میں کہ طرح طرح کے شرور وفتن کی گرم بازاری ہے اور قسم قسم کی شیطانیوں اور شرارتوں کی تحریراً وتقریراً اشاعت ہو رہی ہے، آپ کو اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اپنے دین کی حفاظت میں کمال مستعدی سے کام لیجیے اور اس پر جو حملے ہو رہے ہیں، ان کو روکنے میں حتی الوسع کوتاہی نہ کیجیے۔ دیکھیے! اس رسالہِ ہدایت قبالہ نے کیسا کچھ دینِ حق کا بول بالا اور بدمذہبی کا منہ کالا کیا۔

مسئلہ مفقود الخبر میں کس قدر طبع آزمائیاں کی گئیں، اس نے اُن سب پر پانی پھیرا اور ساری مخالفین کی کوششوں کو دریا بُرد کیا۔ بس اسی طرح کے کاموں کی فی زمانہ حاجت ہے۔ پروردگار اس کے مؤلف اور اس کی اشاعت میں سعی کرنے والوں کو اجر جزیل عطا کرے اور آپ صاحبوں کو اعانتِ ملتِ حقہ وحمایتِ سنتِ سنیہ میں سرگرمیِ تام و مستعدیِ تمام بخشے اور تاقیامت، متاعِ برکاتِ دینیہ سے مالامال رکھے، آمین۔

عرض گزار: ابوالمساکین ضیاء الدین عفی عنہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

(۴) ازالۃ الملامۃ عن الامامۃ بغیر العمامۃ:

یہ رسالہ "عمامہ کے بغیر امامت کا حکم" کے بارے میں ہے اور ایک سائل کے استفتا کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ چناں چہ سائل عرض پرداز ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ کرتا، پاجامہ، ٹوپی سے بغیر پگڑی کے امامت کرانا مکروہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا" [11]

مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مذکورہ مسئلہ کے جواب میں فرماتے ہیں: "صورت مسئولہ میں نماز پڑھنا یا امامت کرانا ٹوپی سے بغیر پگڑی کے جائز بلا کراہت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی بقدر ضرورت یہ ہے کہ۔۔۔" [12]

اور پھر حضرت ہزاروی علیہ الرحمۃ نے دسیوں کتب سے عبارات بطور استشہاد نقل کرنے کے بعد یہ ثابت فرمایا ہے کہ:

"الغرض صورتِ مسئولہ میں ٹوپی سے امامت کرنا ہرگز ہرگز مکروہ نہیں ہے، جو مکروہ کہتا ہے قول اس کا قابلِ اعتبار نہیں ہے۔" [13]

یہ رسالہ ماہنامہ "تحفہ حنفیہ" ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ میں صفحہ ۱/ تا ۱۲/ پر شائع ہوا تھا۔ فہرستِ مضامین کے خانے میں اس رسالہ سے متعلق یہ تحریر موجود ہے:

"بتشریح تمام یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچایا گیا ہے کہ بغیر پگڑی کے نماز مکروہ نہیں ہوتی، اس امر کی تصدیق میں اکثر علمائے محققین کی عبارات و مواہیر درج ہیں۔" (فہرست مضامین تحفہ حنفیہ، بتصرف)

اور مضمون نگار کا نام کچھ اس طرح درج ہے:

جناب مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب ہزاروی مقیم بمبئی زِید مجدُهم السّامی.

رسالہ کے اخیر میں علمائے بریلی، علمائے مشاہیر بدایوں، مدرسین مدرسہ اہل سنت والجماعت واقعہ عظیم آباد پٹنہ وغیرہم کی مواہیر ہیں، جن میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی، حضرت مولانا مطیع الرّسول عبدالمقتدر حنفی قادری بدایونی، مولانا عبدالرسول محب احمد قادری بدایونی، مولانا محمد ابراہیم حنفی قادری بدایونی، مولانا محمد حافظ بخش حنفی بدایونی، مولانا وصی احمد حنیفی حنفی سنّی محدّث سورتی، مولانا عبدالصدیق محمد وحید حنفی سنّی فردوسی، مولانا محمد نجم الدین قادری حنفی صدیقی دانا پوری، مولانا عبدالغفور، مولانا مرزا محمد، مولانا حسن بن نور محمد، مولانا سیّد حیدر شاہ قادری حنفی متوطن کچھ بھوج المعروف پیر بھڑوالہ، مولانا محمد ہدایت الرسول لکھنوی اور مولانا محمد علی اکبر علوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ و تصدیقات شامل ہیں۔ [14]

(۵) اظہارِ صدق وھدیٰ: یہ رسالہ تین سوالات کے استفتاءات کے جوابات پر مشتمل ہے، ذیل میں استفتاءات و جوابِ استفتاءات مختصراً لکھے جاتے ہیں؛ تاکہ رسالہ کا تعارف واضح طور پر ہو سکے۔

مسئلہ اولیٰ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ فرض نماز کا وقت بہت ہی تنگ ہو گیا ہو کہ نمازی اگر وضو کرے تو وقت نکل جائے ایسی حالت میں تیمم کرکے وقتی نماز پڑھے یا وضو کرکے اگر وقت نکل گیا ہو تو قضا نماز پڑھے؟ بیّنوا وتوجروا۔ [15]

حضرت ہزاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

صورتِ مسئولہ میں ظاہر مذہب امام والا مقام رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ گو وقت جاتا ہو نمازی وضو ضروری کرے، اگر بعد وضو وقت باقی ہو تو ادا پڑھے ورنہ قضا کرے لیکن تیمم نہ کرے اسی کو متونِ معتبرہ میں اختیار کیا ہے۔ [16]

اور اس کے بعد متونِ معتبرہ سے مسئلہ کو مبرہن فرمایا ہے۔
اس مسئلہ کے اخیر میں حضرت مولانا مطیع الرّسول عبدالمقتدر قادری حنفی بدایونی، حضرت مولانا عبدالغفور، حضرت مولانا ابوالاحسان عبد السبحان، حضرت مولانا محمد بشیر الدین رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ ہیں۔ (۱۷)

مسئلہ ثانیہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ بروز جمعہ وقت استوا کے اکثر عوام نوافل پڑھتے ہیں پس ان کو حنفی مذہب میں اس سے منع کرنا چاہئے یا نہیں؟ (۱۸)

حضرت ہزاروی اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"صورتِ مسئولہ میں عوام کو نوافل سے منع نہ کرنا چاہئے اوّلاً اس وجہ سے کہ گو حضرت امام والا مقام رضی اللہ عنہ کا مذہب ظاہر الروایۃ مطلق منع ہے جس کو صاحب ہدایۃ و عامہ متون و شروح نے ترجیح دی ہے مگر ایک روایت جس کو حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے اُن سے لیا ہے بروز جمعہ نوافل پڑھنے میں جانبِ جواز بلا کراہت ہے اور اس کو امام ابنِ ہمام اور علامہ ابنِ امیر حاج، شارح منیہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔" (۱۹)

اور پھر مذکورہ جواب پر کتبِ فقہیہ سے کئی نصوص پیش کی ہیں۔ اخیر رسالہ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ امام احمد رضا محدث بریلوی (واضح رہے کہ یہ تقریظ "تقاریظ امام احمد رضا؛ تحقیق: محقق رضویات سید صابر حسین شاہ بخاری، ناشر: اکبر بک سیلر۔ لاہور" میں شامل نہیں ہے)، حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر بدایونی حنفی قادری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن، حضرت مولانا محمد بشیر الدین، حضرت مولانا السید غلام حسین، حضرت مولانا عبدالغفور، حضرت مولانا نور محمد رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ ہیں۔ (۲۰)

مسئلہ ثالثہ: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرع متین اس امر میں کہ مثلاً زید اپنی ملک خاص میں خاطر خواہ تصرّف کرنے کا، بنابر روایت ظاہر بقول امام ہمام جس پر مطلقاً فتویٰ دیا جاتا ہے اسی کو فتح القدیر میں راجح فرمایا ہے ملاحظہ ہو: در مختار کتاب القاضی الی القاضی۔ مولوی عبدالحی کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اوّل صفحہ ۶۶ میں گو اس کے برخلاف فیصلہ ہے، مگر اس کو۔مِمَّا لَا یُعْبَأُ بِہٖ۔ قرار دے کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ محض یہاں تحقیق اتنی درکار ہے کہ اہلِ محلہ دیوار بالائی مسجد میں جالی، باری رکھنے کی متولی کو فرمائش کرتے ہیں، اس بنا پر متولی نے مسجد کے بالائی حصہ کی دیوار میں باری وضع کی ہے، پڑوسی کو ہر چند ضرر بیّن نہیں ہے؛ تاہم وہ مزاحمت کرتا ہے۔ سُوال یہ ہے کہ زید اپنی ملکِ خاص میں تصرف کا مختار تھا، یہاں تو مسجد کا کوئی مالک نہیں ہے، پھر متولی کو بصواب دید مصلیانِ مسجد اس قسم کا اختیار ہو سکے گا یا نہیں؟ (۲۱)

حضرت ہزاروی نے اس کے جواب میں کتبِ فقہیہ سے بہت سی نصوص و جزئیات نقل فرمائیں ہیں اور مذکورہ مسئلہ کا مختلف پہلوں سے جائزہ لینے کے بعد آخر میں ماحصل فرماتے ہیں:

الحاصل: صورت مسؤلہ میں اہل محلہ اور متولی کو باری بنانے کا اختیار متقدّمین اور متاخّرین سب علما کے نزدیک حاصل ہے۔ (۲۲)

اخیرِ رسالہ حضرت مولانا ابوالحسین عرف میاں صاحب مارہروی، حضرت مولانا محمد ہدایۃ الرسول سنی حنفی قادری ابو الحسینی لکھنوی، حضرت مولانا محمد بشیر الدین، حضرت مولانا محمد فضل المجید فاروقی حنفی قادری، حضرت مولانا عبدالغفور، حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری حنفی بدایونی، حضرت مولانا محمد حافظ بخش بدایونی، حضرت مولانا محمد فضل احمد، حضرت مولانا محمد عبدالماجد حنفی بدایونی، حضرت مولانا عبد الرسول محب احمد صدیقی حنفی بدایونی، حضرت مولانا محمد ابراہیم قادری، حضرت مولانا سیّد حیدر شاہ قادری حنفی، حضرت مولانا محمد نعمت اللہ سنّی حنفی نقشبندی سندھی، حضرت مولانا ابوالمساکین محمد ضیاء الدین پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ و تصدیقات ہیں۔ (۲۳)

رسالہ کے کل سولہ صفحات ہیں۔ ناشر: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ، سن ندارد۔ بتصحیح و اہتمام: ابو المساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی

(۶) توضیح الاحکام (۱۳۲۵ھ): رسالہ ہذا کا سرورق ہی اس کے مشمولات کا تعارف پیش کر رہا ہے، ملاحظہ کیجیے:

الحمدُ للہ العزیز العلّام

کہ یہ فتاویٰ اتنے مسائل کو شامل: مدرسے میں مالِ زکوۃ دینا، انگریزی پڑھنا، علمائے اہلِ سنت سے بغض اور ان کی اہانت، قرض دار وغیرہ کو کس قدر زرِ زکوۃ دینے کی شرعی اجازت، کن کن آدمیوں کو سوال کرنا جائز ہے، میّتِ مسکین کی تجہیز و تکفین میں کہاں سے خرچ کیا جائے۔ ان فتاوے مفیدہ کے علاوہ، فتاوے جلیل، بے نظیر و بے مثیل متعلق اعانتِ علیگڑھ کالج اور اس کے بانی سر سیّد کے حالات و معتقدات کا انکشاف۔ علمائے ہندوستان کے سوا اسی امامِ نیاچرہ کی تکفیر اور اس کے مدرسے کی اعانت کے حرام ہونے پر پُرزور تحریرات و مواہیر علمائے کرام و مفتیانِ عظام حرمین طیّبین زَادَ ھما اللہ تعالیٰ تعظیماً و تکریماً قابلِ مطالعہ اہلِ

درایت، لائقِ عمل جملہ اہلِ سنت و جماعت مسمّٰی باسم تاریخی طبع

توضیح الاحکام ۱۳۲۵ھ

رسالہ کل چوبیس صفحات پر مشتمل ہے، مطبوعہ مطبع حنفیہ۔ پٹنہ۔ یہ رسالہ مکہ معظّمہ، مدینہ منوّرہ، بدایوں، پیلی بھیت، حیدرآباد دکن، لکھنؤ، بنگلور، جبل پور، مدراس، احمد آباد وغیرہم کے جلیل القدر علما و شیوخ کی مواہیر، تقاریظ و تصدیقات سے مزیّن ہے۔[۲۴]

(۷) اهلاك الوهابيين على توهين قبور المسلمين:

رسالہ کا سرورق اس کے مندرجات پر روشنی ڈال رہا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

الحمدُ للہ! قبورِ مسلمانان کی تکریم و توقیر اور وہابیہ منکرین کی تعذیب و تعزیر میں یہ مبارک مجموعہ مسمیٰ بنامِ تاریخی

اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین ۱۳۲۲ھ

جس میں (۱) تحقیقِ مسئلہ میں تحریرِ منیر جامع الفضائل، قامع الرذائل، حامی السنن، ماحی الفتن جناب مولانا مولوی محمد عمرالدین صاحب قادری برکاتی فاضل ہزارہ، نزیل بمبئی دَامَتْ برکاتُهم (۲) اس کی تصدیق و توثیق اور خیالاتِ باطلہ خبیثہ جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی تجہیل و تحمیق میں کلامِ عرشِ احتشام مجدّدِ مائہِ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ، عالمِ اہلِ سنت و جماعت جناب مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی دَامَ ظلّهم وعمّ فضلهم۔۔۔[۲۵]

دراصل حضرت علامہ مولانا عمرالدین ہزاروی کی مذکورہ تصنیف پر امامِ اہلِ سنت نے مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی اور یہ تقریظ اصلِ رسالہ سے تین گناہ بڑی ہے۔ اس تقریظ سے متعلق حضرت علامہ قاضی عبدالدائم دائم صاحب کی رائے نقل کیے دیتے ہیں۔

حضرت علامہ قاضی عبدالدائم اس تقریظ سے متعلق فرماتے ہیں:

"میرے حقیقی ناناجان حضرت قاضی عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلمانوں کے قدیم قبرستانوں کی تعظیم و تکریم اور ان میں عمارات بنانے کی ممانعت پر ایک مختصر رسالہ لکھا اور اعلی حضرت کی خدمت میں بغرض تقریظ پیش کیا، اعلی حضرت کے من کو چند صفحات کا وہ رسالہ اس قدر بھایا کہ اس سے کئی گناہ بڑی تقریظ لکھ دی۔"[۲۶]

یہ رسالہ مطبعِ اہل سنت و جماعت سے شائع ہوا تھا اور یہی اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، صفحہ ۱ تا ۱۰ تک اصل رسالہ ہے، اس کے بعد صفحہ ۱۰ اور ۱۱ پر حضرت مولانا عبد الغفور، حضرت مولانا محمد بشیر الدین، حضرت مولانا محمد عبدالرشید دہلوی، حضرت مولانا محمد افضل المجید، حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی، حضرت مولانا محمد فضل احمد بدایونی، حضرت مولانا محمد ابراہیم قادری، حضرت مولانا محمد حافظ بخش بدایونی اور حضرت مولانا عبد الرسول محب احمد قادری بدایونی رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ ہیں اور ان کے بعد صفحہ ۱۲ سے امام اہلِ سنت کی دو وصلوں پر مشتمل تقریظ شروع ہوتی ہے، جس کا اختتام صفحہ ۳۹ پر جاکر ہوتا ہے اور شاید اسی تقریظی حجم کے باعث اس رسالہ کو فتاویٰ رضویہ (:ج۹، ص۴۴۰ تا ۴۷۸، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور) میں شامل کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس مطبعِ اہلِ سنت و جماعت کا مطبوعہ نسخہ ہے جو کہ صفحہ ۳۹ پر امامِ اہلِ سنت کی تقریظ پر ختم ہوجاتا ہے، جب کہ فتاویٰ رضویہ میں امامِ اہلِ سنت کی تقریظ کے بعد حضرت علامہ مولانا محمد سلطان، حضرت علامہ مولانا محمد عبداللہ، حضرت علامہ مولانا محمد نعیم پشاوری، حضرت علامہ مولانا سید حیدر شاہ قادری حنفی اور ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین محدثِ رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ بھی ہیں۔ ممکن ہے ہمارے پیشِ نظر نسخہ ناقص الآخر ہو۔ واللہ اعلم[۲۷]

(۸) الاجازة فی الذکر الجهر مع الجنازة:

یہ رسالہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے جواز میں ہے، کل تقریباً ۳۵ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۳۱۵ھ میں مطبع مجتبائی بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ اخیرِ رسالہ امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خان محدّث بریلوی، حضرت مولانا مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی، تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا عبد القادر قادری بدایونی، حضرت مولانا محمد عبد القیوم قادری بدایونی، حضرت مولانا محمد فضل المجید فاروقی بدایونی، حضرت مولانا محمد فضل احمد صدیقی بدایونی، حضرت مولانا محمد عمر حنفی قادری دہلوی، حضرت مولانا حسن بن نور محمد، حضرت مولانا سیّد یٰسین، حضرت مولانا محمد ابراہیم ابن عبد الکریم التواب، حضرت مولانا سیّد غلام حسین، حضرت مولانا نجف علی خان رامپوری، حضرت مولانا میر عبد الرحمن دہلوی، حضرت مولانا محمد عبید اللہ، حضرت مولانا عبد الغفور، حضرت مولانا قاضی شیخ محمد مرگھی، حضرت مولانا احمد الجیتیگر، حضرت مولانا محمد عبد المنعم بن الشیخ ابراہیم باعکظہ، حضرت مولانا نذیر احمد خان رامپوری، حضرت مولانا سیّد مرتضی میاں بن مولوی سیّد سلطان میاں ترمذی منگلوری، حضرت مولانا شرف الدین، حضرت مولانا محمد عبد الرزاق نقشبندی، حضرت مولانا محمد اسماعیل حنفی قادری نقشبندی شاذلی، حضرت مولانا عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہم کی تقاریظ و تصدیقات شاملِ رسالہ ہیں۔[۲۸]

(۹) صیانۃ العباد عن الحضاب بالسواد (۱۳۲۷ھ)

اس رسالہ تک اب تک رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ شرفِ ملت حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس رسالہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی میں محفوظ ہے۔"[۲۹]

ضروری وضاحت: فوز المومنین بشفاعۃ الشافعین:

اس رسالہ کو حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعدّد سوانح نگاروں (مثلا: تذکرہ اکابر اہل سنت از شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص۲۹۰، ناشر: نوری کتب خانہ۔لاہور = حضرت شرف ہی کی دوسری تصنیف "خلفاے اعلیٰ حضرت" ص۹۷، مرتبہ: محمد عبد الستار طاہر مسعودی، ناشر: مکتبہ شمس و قمر۔لاہور اور "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت" ص۲۷۰، مرتبین: محمد صادق قصوری و پروفیسر مجید اللہ قادری، ناشر: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا۔کراچی) نے آپ کی تصانیف سے شمار کیا ہے۔ لیکن ہمیں حضرت ہزاروی کی اس نام کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ دراصل یہ تصنیف حضرت سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے، ہمارے پیشِ نظر اس وقت اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ مطبع احمدی سن ۱۳۱۰ھ ہے، اس کے سرورق پر مصنّف کا نام اس طرح درج ہے:

از افادات: امام العلماء المحقّقین، مقدام الفضلاء المدقّقین، زبدۃ المفسّرین، عمدۃ المحدّثین، کشّاف حقائق المعقول والمنقول، احلال دقائق الفروع والاصول، سیف اللہ المسلول، حضرت مولانا مولوی فضل رسول شاہ صاحب قادری عثمانی۔

اور مصنّف کے نام کے نیچے یہ عبارت کندہ ہے:

حسب الارشاد: مجمع الفضائل حامیِ دینِ متین جناب مولانا مولوی عمر الدین صاحب سنی حنفی قادری ہزاروی۔

اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہزاروی کے حسب الارشاد شائع ہونے والی تصنیف کو حضرت ہی کی تصنیف سمجھ لیا گیا، اہلِ علم حضرات میں سے کسی کے پاس اگر اس بارے میں کوئی مزید دلیل ہو تو مطّلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ رسالہ شہیدِ بغداد مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری علیہ الرحمۃ کی تسہیل و تخریج کے ساتھ بنام "عقیدۂ شفاعت کتاب و سنت کی روشنی میں" تاج الفحول اکیڈمی بدایوں سے شائع ہو چکا ہے۔

خوش خبری: اہلِ علم حضرات اور بالخصوص تراثِ اسلاف سے دلچسپی رکھنے والے باذوق قارئین کے لیے خوش خبری یہ ہے کہ مذکورہ رسائل، بنام "فتاویٰ و رسائلِ ہزاروی" راقم (خرم محمود) اور عزیز دوست مولانا ابو ثوبان محمد کاشف مشتاق المدنی کی تحقیق، تخریج اور ترتیب کے آخری مراحل میں ہیں، عن قریب جدید رنگ و آہنگ میں نظرِ قارئین ہوں گے -ان شاء اللہ تعالیٰ -۔ رسائل کی دستیابی کے حوالہ سے محترم محمد ابرار احمد عطاری صاحب آف لاہور کا بے لوث تعاون رہا، سچ یہ ہے کہ اگر موصوف کا تعاون نہ ہوتا تو رسائل کی حصول یابی بہت مشکل ہوتی، اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے اور ان کا جذبہ روز افزوں کرے، واقعی ایسے لوگ نایاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اس کارِ خیر میں تعاون پر اپنی شایانِ شان جزا عطا فرمائے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت و تاج الفحول کی تصانیف کے حوالہ سے البتہ مجھے اس بات پر حیرانگی ہے کہ موصوف کے مجموعۂ رسائل بنام "فتاویٰ و رسائل ہزاروی" میں موجود رسائل ۱۳۲۵ھ تک کے ہیں، جب کہ حضرت کی وفات ۱۳۴۹ھ میں ہوئی ہے یعنی، تقریبا تین دہائیوں پر محیط زمانہ کی تصانیف کی کوئی خبر نہیں، کہاں گئیں! کیا ہوئیں!

اھداف: دراصل یہ (فتاویٰ و رسائلِ ہزاروی) ماہنامہ تحفہ حنفیہ پٹنہ کے مشمولات کی سیریل کی پہلی کڑی ہے، مشمولاتِ تحفہ حنفیہ کے حوالہ سے اہداف کچھ یوں ہیں:

سلسلہ "رسائلِ علماے اہلِ سنت" ماہنامہ مذکورہ میں شائع ہونے والے رسائل کا مجموعہ جو کہ چار پانچ مجلدات پر مشتمل ہو گا۔

مقالاتِ علماے اہلِ سنت: تحفہ میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات کا مجموعہ جو کہ تخمیناً دو جلدوں پر مشتمل ہو گا۔

دیوانِ علماے اہلِ سنت: تحفہ میں شائع شدہ مختلف علما و شعرا کے حمدیہ، نعتیہ، منقبتیہ اور تواریخِ وصال وغیرہم پر مشتمل ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حواشی و مصادر:

(۱) - مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تذکرہ اکابر اہل سنت از شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص۲۸۹-۲۹۰، ناشر: اویسی بک سٹال۔ گوجرانوالہ۔ راقم حضرت ہزاروی کی حیات و خدمات پر کام کر رہا ہے، اگر کسی کے پاس حضرت ہزاروی کے حوالہ سے کچھ بھی معلومات ہو، مطّلع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

(۲) - ماہنامہ تحفہ حنفیہ کی لازوال خدمات ہیں، لیکن افسوس سے کہنا پڑھتا ہے کہ اب تک اس کے تعارف و خدمات کے حوالہ سے کوئی قابلِ قدر کام

نہیں ہو سکا ہے۔ایک مضمون بنام ”تحفہ حنفیہ تعارف و جائزہ(ڈاکٹر امجد رضاخان)“نظر سے گزرا ہے، لیکن یہ مضمون بہت ناقص ہے،اس میں ماہنامہ مذکورہ کے اصول وضوابط، شرائط وغیرہ-جوکہ کسی بھی ماہنامہ کی بنیاد ہوتی ہیں- کا کہیں کوئی ذکر تک نہیں جب کہ یہ اصول و ضوابط تحفہ کے سرورق پر ہی لکھے ہوئے ہیں اور یہ اصول و ضوابط تحفہ کے دونوں ادوار (یعنی،بانی و مدیر قاضی عبد الوحید فردوسی صاحب کے دور، اور مولانا ضیاءالدین پیلی بھیتی کے دور) کے لحاظ سے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہیں، جن کا تفصیلی ذکر آئندہ کسی مضمون میں کیا جائے گا۔ان شاءاللہ تعالی

(۳) - ماہنامہ ”تحفہ حنفیہ“ پٹنہ، پرچہ ٦، جلد۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، ۱۷۔ ۲۸/۱۔۱۲

(۴) - ماہنامہ ”تحفہ حنفیہ“ پٹنہ، پرچہ ٦، جلد۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، ۲/۳۰

(۵) - ماہنامہ ”تحفہ حنفیہ“ پٹنہ، پرچہ ٦، جلد۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، ۲/۳۰

(٦) - ماہنامہ ”تحفہ حنفیہ“ پٹنہ، پرچہ ٦، جلد۴، جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ، ۸/۳٦

(۷) - ہدایۃ العنود الی مسئلۃ المفقود، ص۲؛ مصنّف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مطبوعہ: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ

(۸) - ایضا: ص۱۳ (۹) - ایضا: ملاحظہ ہو ٹائٹل رسالہ ہذا

(۱۰) - ایضا: ص۱۵ تا ۲۰

(۱۱)- ماہنامہ ”تحفہ حنفیہ“ جلد٦، پرچہ ۴، ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ، ص۱

(۱۲) - ایضا: ص۱ (۱۳) - ایضا: ص۹ (۱۴) ایضا: ص۹ تا ۱۲

(۱۵) - اظہارِ صدق وہدیٰ: ص۲؛ مصنّف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، ناشر: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ، سن ندارد۔ بتصحیح و اہتمام: ابوالمساکین مولانا ضیاءالدین پیلی بھیتی

(۱٦) - ایضا: ص۲ (۱۷)- ایضا: ص۵ (۱۸) - ایضا: ص٦

(۱۹) - ایضا: ص٦ (۲۰)- ایضا: ص۸۔۹ (۲۱) - ایضا: ص۹

(۲۲)- ایضا: ص۱۳ (۲۳)- ایضا: ص۱۴ تا ۱٦

(۲۴)- ملاحظہ کیجیے: توضیح الاحکام (۱۳۲۵ھ)؛ مصنّف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، ناشر: مطبع حنفیہ واقع پٹنہ محلہ لودی کٹرہ

(۲۵)- دیکھیے: اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین، مطبوعہ: مطبع اہلِ سنت وجماعت۔ بریلی

(۲٦)- تقاریظ امام احمد رضا: ص۲۱-۲۲، تحقیق: محقق رضویات سید صابر حسین شاہ بخاری، ناشر: اکبر بک سیلر۔ لاہور

(۲۷)- اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین، مطبع اہلِ سنت وجماعت۔ بریلی

(۲۸) الاجازہ فی الذکر الجہر مع الجنازہ؛ مصنّف: حضرت مولانا مفتی محمد عمر الدین ہزاروی، مطبوعہ: مطبع مجتبائی بمبئی

(۲۹) تذکرہ اکابر اہل سنت از شرف ملت علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ، ص۲۹۰، ناشر: نوری کتب خانہ۔ لاہور ☆☆☆

(ص:۲۹/ کا بقیہ)... اللہ کی پکڑ یقینا ہے۔اس لیے زائرین کرام یاد رکھیں ، اللہ نے اعلان فرمایا ہے :اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی مقام پر مجھ سے ستّر غلطیاں سرزد ہوجائیں میں یہ گوارا کر سکتا ہوں لیکن یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ حرمین میں ایک بھی غلطی سرزد ہوجائے۔

حضرت عیاض بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک یہ امت حرمت کعبہ اس طرح کرے گی جیسا کہ اس کا حق ہے تو یہ خیر و برکت سے بہرہ ور ہوگی اور جب اس کی تعظیم چھوڑ دے گی تو تباہ و برباد ہوجائے گی۔ (ابن ماجہ)

چنانچہ روایتوں میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حج کے بعد عجلت کے ساتھ اپنے شہروں کو لوٹ جاتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی غلطی نہ سرزد ہوجائے جو حرمت کعبہ اور حرم مدینہ کے منافی ہو۔ افسوس صد افسوس یہاں بھی زائرین روضہ انور کے سامنے کھڑے ہوکر محبت و عقیدت کو پسِ پشت پھینک کر پاکٹ سے موبائل نکالتے ہیں اور درود سلام پیش کرنے کے بجائے تصویر کشی اور ویڈیو گرافی میں لگ جاتے ہیں ۔ زیارت کے آداب کیا ہیں ؟ انہیں کچھ یاد نہیں رہتا، بس اتنا یاد رہتا ہے کہ تصویر کھینچنی ہے، ویڈیو بنانا ہے اور سوشل میڈیا، فیس بک، واٹس ایپ، ٹویٹر، انٹگرام اور دیگر میڈیا پر شیئر (بھیجنا) کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

حرمین شریفین کی زیارت کرنے والے اصل مقصد کو چھوڑ کر تصویر کشی میں مصروف رہیں گے تو اس سے بڑھ کر حرماں نصیبی اور کیا ہوگی ۔ جب حرم مکہ میں نیک عمل کا ثواب لاکھ گنا اور حرم مدینہ میں پچاس ہزار ہے تو ایسی پاک جگہوں پر فعل معصیت کرنا گناہوں کے بوجھ کو بڑھانا ہوگا۔ مطلب عبادت کو رائیگاں کرنا اور اوپر سے عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ اللہ کے رسول کا واضح فرمان ہے: اللہ کے یہاں قیامت کے دن سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والے کو ہوگا۔ زائرین حرم پر جو ذمہ داریاں بڑھی ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں ۔ حرم کی حاضری اللہ پاک قبول فرمائے ۔ میرے لئے بھی دعا فرمائیں۔ اللہ پھر یہ نعمت عطا فرمائے۔۔ آمین! ثم آمین!!

فتنۂ قادیانیت اور علامہ فضل احمد لدھیانوی

-------☆صابر رضا رہبر مصباحی☆-------

ہندوستان کی آزادی کی سب سے بڑی قیمت مسلمانوں کو ہی چکانی پڑی پھر بھی رسوائی اور مذہبی ومادی نقصانات ہی اس کے نصیبے میں آئے۔ملک سے انگریز جانے کو تو چلے گئے لیکن وہ اپنے دشمن یعنی مسلمانوں کومسلسل ذہنی اضطراب میں مبتلا رکھنے کی بیج بو گئے۔چوں کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے ہندوستان چھینا تھا اس لیے اس سے ہر موڑ پر مسلمانوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔۱۸۵۷ کی جنگ آزادی جوبظاہر ناکام ہوگئی لیکن انگریزوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہی کہ اگر پھر کبھی علماے اسلام نے اسی طرح جہاد کا فتویٰ جاری کر کے انفرادی قوت کی بھیڑ اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوگئی تو یقینی طور پر وہ دن انگریزی حکومت کا آخری دن ہوگا لہذا پھر کبھی ایسے حالات کا سامنا نہ ہوں ؛تن گورے اور من کالوں نے بڑی گہری چال چلی۔ کہا جاتا ہے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے ’انگریزیوں نے اسی مقولے پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں میں سے ہی ایسے نمک خواروں کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہوگئے جو ان کے اِک اشارہِ ابرو پر اپنے ایمان کی بھی قربانی پیش کرنے میں جھجھک محسوس نہ کرے۔پھر کیا تھا مسلمانوں کے دل وایمان کو گہرا زخم دینے اور مسلمانوں کو باہم سرپیکار کرنے کے لیے کئی فتنے وجود میں آ گئے،جس نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا شیرازہ ہی بکھیر کر رکھ دیا۔انہیں فتنوں میں سے سب سے خطرناک فتنہ ’قادیانیت‘ ہے۔جس کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے ۔ مرزا قادیانی نے پہلے خود کو مثل مسیح کہا، مسیح موعود کہا اور پھر دعوی نبوت کر بیٹھا۔ انگریزی دولت کی ریل پیل کے سہارے بڑی تیزی کے ساتھ فتنہ قادیانیت پاؤں پھیلانے لگا۔جان کونین ﷺ کی شان اقدس میں مرزا کی ہرزہ سرائیوں نے پوری امت مسلمہ کو مضطرب کر دیا۔علماے اہل سنت نے فتنہ کی قادیانیت کا قلع قمع کرنے کے لیے سینہ سپر ہوگئے اور لوح وقلم اور جلسہ ومناظرکے ذریعہ اس کا ناطقہ بند کر دیا لیکن چوں کہ اسے انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی اس لیے وہ فتنہ بڑھتا ہی رہا اور آج بھی مسلمانوں کے ایمان پر شب خون مارنے کے فراق میں ہے اور قبائیلوں اور غربت زدہ علاقوں میں ایمان کی تجارت کر رہے ہیں۔

تحریک ختم نبوت کے جن جیالوں نے خرمن قادیانیت پر برق تپاں بن کر گرے ان میں سے ایک اہم اور ممتاز نام قاطع فتنہ قادیانیت مجاہد تحریک ختم نبوت حضرت علامہ قاضِی فضل احمد چشتی ، مجددی لدھیانوی علیہ الرحمہ (سابق انسپکٹر کورٹ لدھیانہ) کی ہے۔

جب بھی ناموس رسالت پر کسی نے حرف گیری کی آپ نے اس کا سخت تعاقب کیا۔آپ کی تحریریں اس قدر مدلل ہوا کرتی تھیں کہ اس کا جواب کسی طرح نہ بن پڑتا تھا اور مجبوراً تنقیص رسالت کے مرتکبین دم دبا کر بھاگ اٹھتے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو فن تردید میں مہارت عطا فرمائی تھی۔آپ کا اسلوب حشو وزائد سے مبرا،عامیانہ طرز سے پاک اور مناظرانہ جاہ وجلال کا پرکشش منظر پیش کرتا ہے۔لوح وقلم کے ذریعہ آپ نے گمراہ فرقوں کی خوب خوب خبر لی،اس کے لیے آپ کو مقدمات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔آپ کی علمی گرفت اور فنی مہارت کی منہ بولتی تصویر مشہور تصنیف ’انوار آفتاب صداقت‘ ہے۔ (راقم الحروف نے آج سے تین سال قبل اس کی جدید ترتیب وتحشیہ کا کا انجام دیا ہے جو منتظر طباعت ہے۔)

مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کا انکار کرتے ہوئے جب دعویٰ نبوت کر بیٹھا اور شان رسالت وصحابہ میں ہرزہ سرائی کی جرأت کی توآپ کا ایمان وکلیجہ تڑپ اٹھا اور اس کی خوب گیری کی۔ رد مرزائیت میں آپ کا اسپ خامہ خوب دوڑا۔آپ نے رد قادیانیت میں کئی کتابیں تحریر فرمائیں اور اس کے خلاف متعدّد مضامین بھی لکھے جو اس وقت کے موقر رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔رد مرزائیت میں آپ کی چھ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔جن کے نام اس طرح ہیں:۔

(1)**کلمہ فضل رحمانی**،یہ کتاب آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب ”ازالہ اوہام“ کے جواب میں تحریر فرمایا۔کتاب کا پورا نام ’کلمہ فضل رحمانی(۱۳۱۴ھ) بجواب اوہام غلام قادیانی (۱۳۱۴ھ) ہے۔یہ ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ کو پایہ تکمیل تک پہنچی اور مقتدر علماے کرام کی تصدیقات وتقاریظ کے ساتھ ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ میں لاہور سے شائع ہوئی ،اسے بعد میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتانے بھی شائع کیا۔اس کتاب کے بارے میں حضرت قاضِی فضل احمد چشتی صاحب رقم طراز ہیں کہ ”آج واقع

سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب، پٹنہ

۵/جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ کی صبح ساڑھے چار بجے جب کہ میں مسودہ اصلی پر سے پورے طور پر کتاب ہذا لکھ چکا اور ختم کر چکا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ مجلس میں جہاں قریباً سات آٹھ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اور مولانا مولوی مشتاق احمد چشتی صابری مدرس گورنمنٹ سکول لدھیانہ بھی میرے پاس داہنی طرف بیٹھے ہوئے ہیں، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی وہاں پاؤں پسارے پڑے ہیں، مرزا صاحب کا سر ننگا ہے اور سر ان کا عین وسط سے لے کر پیشانی تک استرہ سے منڈا ہوا ہے)خلاف شرع(اور داڑھی آپ کی قینچی سے کتری ہوئی ہے (خلاف شرع) اس مجلس میں سے کسی شخص نے کہا کہ آپ سب لوگ مرزا صاحب کے مخالف کیوں ہیں، میں نے کہا کہ ہم کو بلکہ کُل اہل اسلام کو مرزا صاحب سے کوئی ذاتی یا دنیاوی غرض سے مخالفت نہیں، مرزا صاحب نے ہی اپنے عقائد اور اعمال اہل اسلام کے مخالف کر لیے ہیں، یہی وجہ مخالفت ہے، مرزا صاحب نے کہا" ایویں کوئی کچھ کہہ دے"(پنجابی) یعنی یونہی ناحق کوئی کچھ کہہ دے، میں نے کہا مرزا صاحب! کیا آپ کے کل الہاموں اور مولفہ کتابوں میں عقائد اور اعمال درج نہیں؟ کیا ان تحریری دستاویزات سے جو بڑی تعلی سے شائع کیے ہیں، انکار ہے؟ ناحق کہنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے، تب مرزا صاحب نے کھسیانی صورت بنائی اور نیچے آنکھیں کر لیں اور خاموش ہو گئے اور جواب نہ دیا، اتنے میں آنکھ کھل گئی، گھڑی (کلارک) کو دیکھا ساڑھے چار بجے تھے، مجھے اس خواب سے نہایت اطمینان ہوا، حضرات ناظرین اس کی تعبیر سمجھ لیں اور یہ بھی عرض کر دینا ناظرین کے لیے خالی از منفعت تعارف نہ ہوگا کہ خاکسار راقم الحروف ملازم پولیس ہے اور سخت درجہ گنہگار لیکن الحمدللہ عقائد و اعمال مطابق جمہور اہل اسلام کے عین مطابق رکھتا ہے، یہی امید فضل رحمانی سے ہے، مغفرت کرے گا، ہر وقت اس کے فضل کی امید اور عذاب کا ڈر دل میں ہے، یاالٰہی اس کو قائم رکھ۔ آمین ثم آمین"۔ (کلمہ فضل رحمانی صفحہ نمبر ۱۳۱)

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو قصر قادیانیت میں زلزلہ آگیا۔ آپ کی یہ کتاب نہ صرف مقبول عوام و خواص ہوئی بلکہ بارگاہِ الٰہی میں بھی میں یہ مقبول ٹھہری۔ آپ کی کتاب فضل رحمانی منظرِ عام پر آئی تو اس زمانہ کے اخبار "وفادار" لاہور کے ایڈیٹر محمد فضل الدین نے ایک رات دو بجے نماز تہجد کے وقت اللہ رب العزت کے حضور دعا کی کہ کلمہ "فضل رحمانی" کے مصنف کا موقف صحیح ہے یا مرزا قادیانی کا، اس پر بہت گڑگڑاتے ہوئے بڑی لمبی چوڑی دعا کی، رورو کر طبیعت نڈھال ہو گئی، اتنے میں سو گئے، خواب میں دیوان حافظ شیرازی کا ایک شعر ان کو دکھایا گیا، خواب میں انہوں نے وضاحت چاہی تو ان کو کتاب تھمادی گئی، دیکھا تو وہ "کلمہ فضل رحمانی" تھی، فرماتے ہیں دل کو تسلی ہوگئی کہ مرزا قادیانی واقعتاً مردود و ملعون ہے۔ (کلمہ فضل رحمانی، مطبوعہ ملتان، ص ۱۵۴)

(2)**نیام ذوالفقار علی برگردن خاطی مرزائی فرزند علی**، یہ کتاب لاہور سے ۱۳۳۹ھ میں شائع ہوئی۔

(3)**جمعیت خاطر**، آپ کی یہ کتاب غلام رسول پولیس انسپکٹر مرزائی سے ہوئی تحریری مباحثہ پر مبنی ہے۔ ۱۳۳۳ھ میں لاہور سے شائع ہوئی۔

(4)**مخزن رحمت بر قادیانی دعوت**، یہ کتاب لدھیانہ سے ۱۳۴۵ میں طبع ہوئی۔ آپ کی یہ تحریر ہنامہ ضیاے حرم، لاہور، کے ختم نبوت نمبر، شمارہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں شامل ہے۔

(5)**جمعیت خاطر**، یہ کتاب غلام رسول پولیس انسپکٹر مرزائی سے ہوئے تحریری مباحثے پر مبنی ہے۔ یہ کتاب کہاں سے شائع ہوئی اور کب ہوئی اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں مل سکا۔

(6)**تعویذ الاسلام**(۱۳۴۹ھ)، اس کتاب کے مزید تین تاریخ نام ہے جو مندرجہ ذیل ہے: "مرزا قادیانی وہ ہرگز مسلمان نہ تھا (۱۳۴۹ھ)، "بابو بھولے خان مسلمان مُصلح و فتح دین مرزائی (۱۹۳۰ء) یہ کتاب صفحات ۳۹ مشتمل ہے جو اصلاح سٹیم پریس لدھیانہ سے شائع ہوئی۔ اس میں میاں فتح دین مرزائی بیت المال قادیانی کے چار خطوط کے جوابات ہیں جو اس نے اپنے ماموں بھولے خاں مسلمان کو اس لیے لکھے تھے کہ آپ نے رسالہ کے اخیر میں رقم فرمایا کہ ' اس میں سے یہ رسالہ پہلا حصہ ہے، جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا قادیانی مسلمان نہ تھا، اگر کسی مرزائی یا فتح دین نے مرزا کو مسلمان ثابت کیا تو باقی تین حصے بھی تیار ہو جائیں گے، مرزائیوں کو خدا ہدایت دے"۔

اس کے علاوہ آپ نے قادیانیوں کی تردید میں پوسٹر، پمفلٹ اور مضامین بھی تحریر کیے ہیں۔ قادیانیوں کی جانب سے جب بھی کوئی پوسٹر یا پمفلٹ شائع ہوتا آپ اس کا مدلل جواب شائع کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیتے (کاش اس وقت شائع ہونے والے اس نوعیت کے پوسٹر محفوظ کر لیے جاتے۔)

ایک مرتبہ قادیانی دھرم کے عبدالکریم ناقد، سکریٹری جماعت احمدیہ پٹھان کوٹ پنجاب نے ایک چارورقی پمفلٹ بعنوان 'علماء سوء کے کارنامے' شائع کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں 'مرزائی (بیدادی) علما کے خارنامے بجواب علماء سوء کے کارنامے' مضمون تحریر فرمایا، جسے ہفت روزہ

الفقیہ امرتسر نے قسط وار شائع کیا۔

(ہفت روزہ ”الفقیہ“ امرتسر، شمارہ ۲۱ تا ۲۸، اپریل ۱۹۳۴ء)

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ اپنے ایک مضمون ”اباطیل مرزائیہ“ ”قادیانی مرزائیوں کی صرف باسی کڑھی میں اُبال“ میں لکھتے ہیں: ”مجھے ایک دوست نے ایک پرچہ دو ورقہ بصورت اشتہار تبلیغی، ندائے ایمان نمبر ا، ۱۵ر جنوری ۱۹۳۰ء مطبوعہ قادیان ضلع گورداسپور، منجانب مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی فرزند مرزا غلام احمد آنجہانی قادیانی، دیا، اس کو بغور پڑھا، اس میں مضمون آرائی کے سوا اور کچھ نہیں“۔

حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس اشتہار کا جواب سات نمبروں میں نمبر کے اعتبار سے دیا، چند اقتباسات درج ذیل ہیں: :

” جب مرزا صاحب آنجہانی سیالکوٹ میں پندرہ روپے کی ملازمت پر فائز ہوئے اور اس میں ان کی ترقی نہ ہوئی تو انہوں نے مختاری وکالت کا امتحان بڑی سرگرمی و سردردی سے دیا، قسمت کی خوبی اس میں فیل ہوگئے اور شرمساری کی وجہ سے الملازمت سے استعفاء دے کر اپنے گھر قادیان میں آگئے، اور اپنے دوستوں کے مشورہ سے کتاب ”براہین احمدیہ“ کے لکھنے اور شائع کرنے کا ارادہ کیا، اور اس تجارتی کاروائی کا بہت فائدہ اُٹھایا، پہلی اصلاح تو یہ کی کہ اس کتاب میں تین سو دلائل اور تین سو جز کی کتاب ہوگی، ایک جلی قلم کا اشتہار بھی جاری کردیا کہ یہ الہامی کتاب ہے، اگر کوئی کوئی شخص اس کو غلط ثابت کرے تو اس کو دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا، آخر کتاب کی قیمت کا روپیہ وصول کر کے ہضم کیا اور صرف ۳۵ جز کی کتاب طبع کر کے لوگوں کے حوالے کی، اس میں ایک مسئلہ معرکۃ الآراء لکھا کہ حضرت علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اخیر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور تمام دنیا میں اسلام پھیلائیں گے اور غلبہ اسلام ان کے وقت میں ہوگا، قرآن شریف کی دو آیات ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھر علی الدین کلہ اور عسیٰ ربکم ان یرحم علیکم الہاماً لکھ دیا، لیکن اس کے بعد جب انہوں نے اپنا ”ازالہ اوہام“ شائع کیا تو اس میں انہوں نے اپنے تئیں عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت لکھ دیا کہ وہ مرگئے ہوئے ہیں اور ان کی جگہ میں عیسیٰ ہوں، ایسا لکھ کر مرزا صاحب نے اپنے ہاتھوں اپنی الہامی کتاب ”براہین احمدیہ“ کو غلط ثابت کر کے اپنے اشتہار جلی کو بھی جھوٹا قرار دے دیا اور جھوٹوں میں داخل ہوگئے۔

دوسرا جھوٹ یہ کہ تمام دنیا کی اصلاح کا کام شروع کردیا لیکن افسوس پنجاب سے باہر قدم نہ رکھا، حتیٰ کہ فریضہ حج بھی ادا نہ کیا، سرحد افغانستان تک بھی نہ جا سکے، حضرت مولانا مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی شریف کے مقابلہ و مناظرہ میں باوجود اقرار کرنے کے لاہور تک بھی نہ جاسکے، اس لیے کہ پیر صاحب کے ساتھ سرحدی پٹھان تھے، مرزا صاحب کی بہادری، سپہ سالاری، علمبرداری اسی سے ظاہر ہے کہ جان کے خوف سے کہیں نہ جا سکے، حالانکہ مرزا صاحب کو ان کے ٹیچی فرشتہ کی طرف سے واللہ یعصمك من الناس (تجھ کو خدا لوگوں سے بچائے گا) آیت قرآنی الہام بھی ہو چکا تھا، مرزا صاحب دس گھنٹہ کے اندر اندر حسب پیش گوئی حضرت قدوۃ السالکین وزبدۃ العارفین پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری بقاہم اللہ تعالیٰ مسافرت کی حالت میں میں مرض ہیضہ سے جس کو وہ خود عذاب کی موت کہا کرتے تھے، اس دنیا سے بے بسی کی حالت میں کوچ کر گئے، تواریخ موت مرزا صاحب حسب ذیل ہیں :

1۔ مرگ قادیانی ہیضہ سے۔۱۳۲۶ھ

2۔ ڈوبا غلام احمد قادیانی ڈوبا۔۱۳۲۶ھ

3۔فی العذاب والضال البعید۔۱۹۰۸ء

4۔ غضب کی نگاہ۔۱۹۰۸ء

ہفت روزہ ”الفقیہ“ امرتسر، شمارہ ۲۸، مارچ ۱۹۳۰ء میں آپ کا ایک مضمون ”مرزا قادیانی کے جھوٹے الہامات“ شائع ہوا، جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے مرزائی غلام احمد قادیانی کے جھوٹ اور مکاری کا پردہ فاش کیا ہے، آپ رقم طراز ہیں: سب سے پہلے ٹیچی فرشتہ نے مرزا صاحب سے کہا کہ تمھارے گھر میں ایک ایسا لڑکا ہوگا گویا خود آسمان سے اُترا ہے، اس کے کپڑوں سے بادشاہ برکت پائیں گے، مگر افسوس مرزا صاحب دنیا سے کوچ کر گئے، وہ لڑکا پیدا نہ ہوا۔

دوسرے ٹیچی فرشتے نے مرزا صاحب کو کہا کہ محمدی بیگم دختر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تمھارے نکاح میں آئے گی، افسوس ہر چند کوشش کی مگر وہ نکاح میں نہ آئی، یہاں تک کوشش ہوئی کہ مرزا صاحب کو اپنی بیوی کو طلاق دینے اور اپنے فرزندوں کو عاق کرنے کی نوبت پہنچی لیکن نکاح دوسری جگہ ہوگیا۔

تیسرے ٹیچی فرشتے نے آکر کہا کہ ”محمدی بیگم“ کا خاوند تین سال کے عرصہ میں مرے گا اور محمدی بیگم بیوہ ہوکر تمھارے نکاح میں آئے گی، تم میرے کہنے سے علی الاعلان کہ دو اور کتابوں میں لکھ دو، اگر محمدی بیگم میرے نکاح میں نہ آئے تو مجھے بد سے بدتر سمجھو، اور تمام لوگوں سے کہہ دو کہ اگر وہ میرے نکاح میں نہ آئے اور مجھے موت آجائے تو مجھ کو

جھوٹا سمجھو، مگر افسوس ٹیچی فرشتہ کی بات سچ نہ ہوئی اور مرزا صاحب اکیس سال ہوئے چل بسے اور وہ محمدی بیگم اور اس کا خاوند مرزا سلطان محمد اس وقت تک زندہ ہیں، مرزا صاحب اپنے اقرار سے بد سے بدتر اور جھوٹے ثابت ہوئے۔ (انجام آتھم وضمیمہ انجام آتھم)

فرشتہ ٹیچی صاحب نے مرزا صاحب سے کہا کہ تمھاری عمر اسی سال ہے (ازالہ اوہام، ص ۶۳۵) مگر افسوس یہ فرشتہ بھی جھوٹا ثابت ہوا کہ مرزا صاحب چھیاسٹھ سال کی عمر میں چل بسے، پھر ٹیچی صاحب مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ مکہ شریف میں مروگے اور مدینہ شریف میں دفن ہوگے، مگر افسوس یہ بھی جھوٹ ہوا، مرزا صاحب لاہور میں فوت ہوئے اور قادیان میں دفن ہوئے، پھر ٹیچی فرشتے نے مرزا صاحب کے پاس آکر کہا کہ تمھاری عبداللہ آتھم سے جو بحث ہوئی ہے اور وہ مسلمان نہ ہوا، پندرہ روز کے مباحثہ میں وہ مغلوب نہیں ہوا، لیکن وہ پندرہ ماہ کے اندر مرے گا، اور ۶/ ستمبر ۱۸۹۴ء تاریخ موت بھی بتادی، اور کہا کہ یہ دو کہ اگر وہ نہ مرے تو میرا منہ کالا کر کے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی دے دینا۔

(جنگ مقدس، ۵/ جون ۱۸۹۳ء)

مگر افسوس عبداللہ آتھم نہ مرا اور مرا بھی تو دو سال کے بعد تاریخ مقررہ کو جھوٹا کرکے، مسٹر ہنری کلارک پادری رسی اور سیاہی ڈبیہ حسب اقرار مرزا صاحب لے کر قادیان پہنچا کہ آیئے مرزا جی اپنا اقرار پورا کیجیے، مگر مرزا صاحب گھر سے باہر نہ نکلے۔

اسی طرح ٹیچی فرشتہ نے مرزا صاحب سے آکر کہا کہ تمھارے مسیح موعود ہونے کی ایک بڑی مضبوط دلیل یہ ہے کہ تمھارے خدا نے تمھارے نام "غلام احمد قادیانی" کے اعداد جمل تیرہ سو بنائے ہیں، اس لیے اس چودھویں صدی کے مسیح موعود اور مجدد تم ہی ہو اور بلا خوف اور بے دھڑک اپنے "ازالہ اوہام" میں یہ بھی لکھ دو کہ تمام دنیا میں کوئی بھی میرے سوا غلام احمد قادیانی نہیں ہے۔ (ازالہ اوہام، ص ۱۸۵)

مگر افسوس! مرزا صاحب کے ٹیچی فرشتہ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ دنیا تو درکنار پنجاب میں یا مرزا صاحب کے ضلع گورداسپور میں ان کے قریب ہی کوئی اور گاؤں قادیان ہے یا نہیں اور اس میں کوئی غلام احمد ہے یا نہیں، حالانکہ خاص ضلع گورداسپور میں ہی مرزا صاحب کی قادیاں کے علاوہ دو گاؤں قادیاں اور موجود ہیں اور ایک گائوں قادیاں اس ضلع لودھیانہ میں بھی آباد ہے، اس کا ذکر مرزا جی نے بھی اپنے "ازالہ اوہام" میں کیا ہے، اس کا جواب مفصل میں نے اپنی کتاب "کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام قادیانی" میں لکھا ہے کہ وہاں بھی ایک شخص غلام احمد گوجر نمبر دار موجود ہے، اس کے بعد ضلع گورداسپور میں جو میرا بھی وطن ہے، دریافت کیا گیا تو موضع دوانگلہ کے قریب ایک گاؤں قادیاں آباد ہے، وہاں بھی ایک شخص غلام احمد قریشی ہم عمر مرزا جی موجود ہے گویا وہ بھی غلام احمد قادیانی ہے، دیکھیے مرزا صاحب آنجہانی کو اپنے جھوٹے ٹیچی فرشتہ پر ایسا یقین ہوگیا کہ فوراً اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ تمام دنیا میں کوئی میرا ہم نام غلام احمد قادیانی نہیں ہے، جس پر تیرہ سو کا عدد پورا ہوتا ہو، اور ان کے چیلے چانٹوں نے فوراً آمنا وصدقنا کہہ دیا اور مرزا جی نے اپنے قریب ضلع میں بھی دریافت نہ کیا اور نہ یہ خیال آیا کہ کوئی اور بھی دریافت کرے گا تو الہام اور ٹیچی صاحب کے کہنے پر خفت وندامت ہوگی، جو آج ہوئی"۔

ردمرزائیت میں مذکورہ بالا سطور کو حضرت قاضی فضل احمد چشتی لدھیانوی علیہ الرحمۃ کی خدمات کی محض ایک ہلکی جھلک سمجھی جائے کیوں کہ ستم ظریفی حالات کرم فرمائی سے ان کی خدمات کے بہت سارے نقوش اتنے دھندلے پڑ گئے ہیں جنہیں تلاش کرنا ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ترین ضرور ہے۔ کیوں کہ ان کا تعلق پنجاب سے تھا جو اس وقت علما کرام اور اہل علم مرکز تھا۔ جالندھر، امرتسر اور لدھیانہ کی خوں چکاں داستان تاریخ کے طالب علم پر مخفی نہیں۔ میری نظر میں دہلی اور پنجاب میں صرف فرق اتنا ہے کہ دہلی بار بار اجڑا اور بس گیا لیکن پنجاب جب ویران ہوا تو اس کے نصیبے میں بہار نہیں آیا۔ اگر پنجاب کے علمی مراکز تقسیم ہند کی نذر نہیں ہوئے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت قاضی صاحب اور حضرت مولانا غلام قادر بھیڑوی جیسے مجاہدین تحریک آزادی کی زریں خدمات سے نئی نسل انجان رہتی۔ (واضح رہے ردقادیانیت میں پنجاب میں سب سے پہلا فتویٰ حضرت مولانا غلام قادر بھیڑوی نے ہی دیا تھا، بعد میں اسی فتوی سے استفادہ کرتے ہوئے وہاں کے علما کرام نے مرزائیوں سے مناکحت میل جول اور ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا)۔ ردقادیانیت میں حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمات بہت زیادہ ہے جسے اگر جمع کرلیا جائے تو تاریخ کے بہت دھندلے چہرے روشن ہوجائیں گے اور دفتر تیار ہوجائے گا۔ حضرت قاضی صاحب کی زندگی وخدمات کے تفصیلی تذکرے کہیں نہیں ملتے ہاں! ہندوپاک کے قدیم رسالوں میں ضمناً کہیں کہیں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے جو منتشر الاوراق ہیں۔ تلاش وجستجو سے جو کچھ میسر ہوسکا؛ تحریری موتیوں میں پرو دیا۔ یہ مضمون ہرگز پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا اگر خلیل احمد رانا صاحب، حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ سے متعلق اپنا مضمون (جو قاضی صاحب کی زندگی پر اول تحریر ہے) زبیر قادری صاحب کے توسط سے راقم کو ای میل نہ کرتے۔ اس مضمون میں قاضی صاحب کی کتابوں کے اقتباس کا اکثر حصہ انہیں کے مضمون سے نقل کیا گیا ہے۔ ○○○

فکر و نظر

مدارس اسلامیہ کے فارغین اور ان کی تدریسی ذمہ داریاں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

ستمبر ۲۰۱۷ء کا عنوان	عید الاضحیٰ: حقیقت اور پیغام
اکتوبر ۲۰۱۷ء کا عنوان	کربلائے عصر اور ہماری ذمہ داریاں

کامیاب مدرس اور اعلیٰ تعلیم: ایک مختصر جائزہ

از: مولانا محمد ناظم علی مصباحی۔ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

اللہ عزوجل کے فضل اور اس کے حبیب پاک سید عالم ﷺ کے کرم خاص سے ہمارے ملک میں تعلیمی اداروں کی خاصی تعداد موجود ہے لیکن جن اداروں سے قوم کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، ان کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، طالبانِ علوم نبویہ کی تشنہ لبی دور ہوتی ہے، ادارہ کے قیام کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں اور صالح افراد کی ٹیم تیار ہوتی ہے، ان کی تعداد اقلِ قلیل ہے، اس کے گوناگوں اسباب ہیں۔ ایسے حالات میں دینی اداروں سے فارغ ہونے والے حضرات کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ جس ادارے کی تدریسی ذمہ داری انھیں سپرد کی جائے، پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے اس کی تدریسی ذمہ داری اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اچھی طرح انجام دیں، اعلیٰ تعلیم وتربیت کی راہ میں مانع چیزوں کا خاتمہ کریں "إن أجری الاعلی اللہ" ہمیشہ مدِ نظر رہے۔ طلبہ کی تدریس وتعلیم کے جو اوقات معین ہیں ان اوقات کی خود پابندی کریں اور طلبہ کو اوقاتِ تعلیم میں پابندی سے بروقت آنے کی تاکید کریں، ان کی تعلیم وتفریح کا وقت معین کریں، بے وقت آنے یا بے عذرِ معقول غیر حاضر ہونے اور بے ضرورت رخصت کی درخواست دینے پر سخت نوٹس لیں، طلبہ کی نقل وحرکت کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں کہ وہ تعلیم میں مشغول ہیں یا تعلیم کے علاوہ کسی اور کام یا لہو ولعب ملٹی میڈیا موبائل وغیرہ چلانے میں مشغول ہیں، پابندی سے مطالعہ کرتے ہیں، بغور تدریس کی سماعت کرتے ہیں یا نہیں، تدریس کی سماعت کے بعد اسباق کا اعادہ کرتے ہیں یا نہیں، ان ساری چیزوں پر نظر رکھنا ایک کامیاب مدرس کے اہم فرائض سے ہے، خود وقت کی پابندی نہ کرنا، نہ طلبہ کو اوقاتِ تعلیم کا پابند بنانا، بے وقت آنے پر زجر وتوبیخ نہ کرنا، بے عذرِ معقول غیر حاضری اور بے ضرورت رخصت لینے پر سخت نوٹس نہ لینا، دوران درس طلبہ کا تعلیمی جائزہ نہ لینا، خود مطالعہ نہ کرنا، بے مطالعہ درس گاہ میں بیٹھ جانا، سابقہ مطالعہ کو کافی ووافی سمجھنا طلبہ کو مطالعہ کی ترغیب نہ دینا، پابندی سے مطالعہ واعادۂ اسباق کا عادی نہ بنانا، متعلقہ درس کی صحیح تدریس وتفہیم نہ کرنا ایک کامیاب مدرس کے تدریسی فرائض سے نہیں۔ ایک کامیاب مدرس کی اہم ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خود مطالعہ کرکے بروقت مسند تدریس پر جلوہ آرا ہو، طلبہ کے اذہان کے اعتبار سے ایسی تدریس وتفہیم ہو کہ ایک کمزور طالب علم بھی درس سے حظِ وافر حاصل کر سکے اور بادۂ علم وفن سے سیراب ہو سکے۔

تدریس محض تلاوت کا نام نہیں کہ جو کچھ خود سمجھا ہے طلبہ کے سامنے بیان کرکے آگے بڑھ جائے، اس سے کبھی بھی مدرس تدریسی ذمہ داری سے سبک دوش نہیں ہو سکتا، جب تک کہ طلبہ کے ذہن میں اتار کر انھیں اچھی طرح مطمئن نہ کردے، ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات کا

ازالہ نہ کردے، درس سے متعلق ضروری امور آسان، سہل اور دل نشیں انداز میں اس طرح پیش کیے جائیں کہ طلبہ کو اکتاہٹ محسوس نہ ہو بلکہ نشاط و دل چسپی برقرار رہے اور دل جمعی کے ساتھ بغور درس سماعت کریں، بے جا ایسے قیل و قال سے احتراز کریں، جس سے ذوقِ سلیم کو اکتاہٹ ہو، درس کو طویل نہ کریں، مختصر اور جامع تدریس ہو"خیر الکلام ما قل و دل"، پیچیدہ اور مشکل مقامات کی ایسی توضیح وتشریح ہو کہ طلبہ کو اطمینان ہو جائے، سہل مقام کی خوب خوب توضیح کرنا اور مشکل مقامات سے گزر جانا تدریس کے فرائض سے نہیں، طلبہ کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کرنا کہ از خود کتاب حل کرنے اور مشکل مقامات کو سمجھنے ، وارد ہونے والے شبہات کا شافی جواب دینے کی قوت پیدا ہو جائے، طلبہ کے اندر از خود کتابیں حل کرنے اور شروحات وغیرہ سے دور رہنے کا ذوق پیدا کرنا ایک اعلیٰ مدرس کی اہم ذمہ داری ہے۔ جو طلبہ شرحوں اور نوٹوں سے دور رہ کر اپنی قوتِ مطالعہ سے از خود کتابیں حل کرتے اور اپنے اساتذہ کے درس سے فیض اٹھاتے ہیں وہ اپنے اندر قوت اعتماد پیدا کر لیتے ہیں اور جو کچھ حل کرتے اور سمجھتے ہیں اس پر انھیں کامل اعتماد ہوتا ہے، اگر کہیں کتابت وغیرہ کی غلطی ہوتی ہے تو ان کا ذہن فیصلہ کرتا ہے کہ یہاں یہ نہیں ہونا چاہیے، یا کسی مقام پر کوئی جواب یا دلیل کمزور نظر آتی ہے تو ان کا ذہن یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس مقام کی دلیل یا جواب میں یہ سقم ہے، اس کا جواب یہ ہے:

ایک اعلیٰ مدرس کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اوقاتِ تعلیم کے اعتبار سے جو مقدارِ تعلیم مقرر ہے، اوقاتِ درس میں سبقاً سبقاً ان کی تدریس کی جائے، مقدارِ تعلیم کا ایک چوتھائی حصہ دو تین مہینے تک جاری رکھنا اور باقی حصہ دس پندرہ دن میں اس طرح مکمل کرنا کہ دوسروں کی گھنٹیاں پسِ پشت ڈال دی جائیں یا طلبہ کے اعادۂ اسباق و مطالعۂ اسباق کا لحاظ نہ رہے، ایک اعلیٰ و کامیاب مدرس کے فرائض سے نہیں، اس سے صالح افراد کی نشوونما ہرگز نہ ہوگی اور نہ ہی تدریس کا حق ادا ہوگا، اور نہ ہی ادارے کے قیام کا مقصد حاصل ہوگا اور نہ ہی سفینۂ مقصود ساحلِ مقصود سے ہم کنار ہوگا بلکہ کسی طرح ادارے کو یہ دکھانا ہوگا ہم نے وقت پر مقدار تعلیم پوری کر دی۔ انسانی ضرورتیں ہوتی ہیں مگر اس قدر نہیں کہ طلبہ کی علمی زندگی کھلونا بن کر رہ جائے اور علمی جواہر پاروں سے محروم ہو کر رہ جائیں، طلبہ کو صرف بطور تبرک نہ پڑھایا جائے بلکہ ادارہ کی طرف سے طلبہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے خاص قواعد و احکام اور ضروری معین بحثوں کا احاطہ کیا جائے ، قواعد کی تدریس کے ساتھ ساتھ ان کا خوب اجرا کرایا جائے، طلبہ کو ان کے تعلیمی اوقات میں مشغول رکھا جائے تاکہ قواعد و احکام خوب اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائیں اور ان کے مقامات پر جاری کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، مختلف مثالوں سے واضح کیا جائے، طلبہ کو اتنا سبق دیا جائے جس کو وہ بہ آسانی پڑھ سکیں اور یاد کر سکیں۔

مختلف اذہان کے طلبہ ہوتے ہیں، اس لیے طلبہ کے اذہان کا لحاظ رکھ کر درس دیا جائے کہ وہ بہ آسانی پڑھ سکیں اور یاد کر سکیں اور آئندہ اسباق کا مطالعہ کر سکیں، طلبہ کو اتنا درس نہ دیا جائے اور نہ ہی ان پر مقدارِ تعلیم کا اتنا بار رکھا جائے کہ وہ تعلیم ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یا طلب الکل فوت الکل ہو جائے ایک مدرس کو تدریس کے وقت ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ اگر ہم طالب علم ہوتے اور ہمیں اتنا درس دیا جاتا اور مقدارِ تعلیم کا اتنا بارِ گراں ہوتا تو ہم بحسن و خوبی انجام دے لیتے اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کے قائل ہو سکتے۔

کوئی بھی درس صرف خاص ذہین و فطین طالب علم کے لیے نہیں ہوتا بلکہ داخلِ درس تمام طلبہ کے لحاظ سے ہوتا ہے، اس کا اندازہ اسے ہوتا ہے جسے اس سے کام پڑتا ہے، صرف ذہین طلبہ کا لحاظ رکھنے اور باقی طلبہ کو نظر انداز کرنے سے نہ تدریس کا حق کبھی ادا ہوگا نہ ادارہ کے قیام کے مقاصد حاصل ہوں گے۔ ان کے اوقاتِ تعلیم کو صرف قرآن خوانی، تیجہ، فاتحہ، چالیسواں وغیرہ کی نذر نہ کر دے، وہ جس اعلیٰ مقصد کے لیے داخل ہوئے ہیں انھیں مقدّم رکھا جائے۔

تعلیمی اوقات میں دعا تعویذ، رسیدوں کے حساب وغیرہ کا مشغلہ نہ رکھے اور نہ ہی لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ دراز کرے، اس سے طلبہ کی تعلیم سخت متاثر ہوتی ہے اور ان کی تعلیمی زندگی پس ماندگی کا شکار ہو جاتی ہے، ان کا ذوقِ تعلیم فزوں اور بلند تر ہونے کے بجائے پستی کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ طلبہ کو تعلیم کے اوقات میں نہ بلائے نہ کسی کام کے لیے بھیجے نہ کسی کام کے لیے جانے دے بلکہ ان کے اوقات کا صحیح استعمال کرائے اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے کبھی کبھی خطاب بھی کرے۔

ایک اعلیٰ مدرس کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ کمزور طالب علم کی علمی زندگی کو بہتر اور بلند تر کرنے کی کامل جدو جہد کرے، ان ساری چیزوں کا لحاظ رکھ کر اگر تدریس کی جائے تو مدارس کے اندر ایک اچھا علمی انقلاب برپا ہوگا، تعلیمی معیار بلند تر ہوگا، علمی بہار آئے گی، صالح افراد پیدا ہوں گے، دینی و ملی ضرورتیں پوری ہوں گی، قوم کی تشنہ لبی دور ہوگی، مدارس کے قیام کے مقاصد حاصل ہوں گے، طالبانِ علومِ نبویہ کا مستقبل روشن و تابناک ہوگا۔

فارغینِ مدارس کی تدریسی ذمہ داریاں

اساتذہ اور طلبہ نوٹ بک کا استعمال کریں۔

از: مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ دار العلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر۔ sajid.misbahi@gmail.com

ڈیڑھ ہزار سال قبل افلاطون نے کہا تھا کہ بہترین معاشرہ تشکیل دینے کے لیے بہترین نظام تعلیم ضروری ہے، افلاطون کے اس فکر کی صداقت آج پوری دنیا تسلیم کر چکی ہے، دنیا کے نقشے میں انہیں ممالک کو عزت ووقار حاصل ہے جنہوں نے علم وادب اور فکر وآگہی سے گہری وابستگی رکھی، تعلیم کے شعبوں کو ترجیحی بنیادوں پر مستحکم رکھا، اس بین الاقوامی حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ممتاز مورخ ایچ، جی، ویلز (H.G. WELZ) نے کہا کہ ”انسانی تاریخ، تعلیم اور تباہی کے درمیان گردش کرتی نظر آتی ہے“۔ یعنی انسانی تاریخ میں جہاں تعلیم کا ذکر ہے وہاں تباہی کا نام ونشان نہیں ملتا اور جہاں تباہی ہے وہ دَور علم وحکمت کی روشنی سے دُور نظر آتا ہے۔

علم وآگہی کے فروغ میں نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اچھا نصاب اور عمدہ نظام تعلیم طلبہ کی شخصیت کو نکھارنے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ متعلّم کی شخصیت پر سب سے قوی اور فوری اثر نہ تو نظام تعلیم کا ہوتا ہے اور نہ ہی نصاب تعلیم کا، نظام ونصاب کو کامیاب بنانے میں سب سے کلیدی کردار استاذ اور معلم کا ہوتا ہے، علم وادب کے فروغ کے لیے سب سے بڑا سرچشمہ استاذ ہی کی ذات ہے، اس لیے کہ استاذ کا تعلق صرف نصابی کتابوں کی تعلیم ہی سے نہیں ہوتا بلکہ وہ قوم وملت کا معمار، معاشرے کا رہبر ورہنما ہوتا ہے۔ مستقبل کے قائدین کی تعلیم وتربیت اور ان کی رہنمائی ونگہ داشت استاذ ہی کے رحم وکرم پر ہوتی ہے، وہ چاہے تو اپنی درس گاہ سے بافیض مدرس، بالغ نظر مفکر، مستقبل شناس قائد، دور اندیش مبلغ، سحر بیاں خطیب اور قوم وملت کو نئی جہت عطا کرنے والے شاہین صفت جیالے پیدا کرے اور دین ومذہب اور ملک وملت کے مختلف شعبوں میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دے، لیکن اگر کم نصیبی سے کسی قوم کے معلّمین کے اندر خیانت اور فرض ناشناسی کے عناصر پیدا ہو جائیں تو پھر اس قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔

آج کی صحبت میں ہم فارغین مدارس اسلامیہ بلفظ دیگر اساتذہ مدارس کی تعلیمی، تدریسی اور تربیتی ذمے داریوں کے سلسلے میں گفتگو کریں گے۔ برصغیر کے مدارس اسلامیہ میں جو نظام تعلیم رائج ہے، دیگر تعلیمی اداروں کی بہ نسبت اس نظام تعلیم میں اساتذہ مدارس کی ذمے داریاں زیادہ ہوتی ہیں، اس لیے فارغین مدارس کو ہمہ جہت صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیے، خاص طور سے تدریس کے اصولوں سے مکمل طور پر واقفیت ہونی چاہیے، طلبہ کی نفسیات کو سمجھنے کا ملکہ ہونا چاہیے، کیوں کہ فلسفہ تعلیم سے آگہی کے بعد ہی کوئی استاذ طریقہ تدریس کے قواعد سے آشنائی حاصل کر سکتا ہے، مسائل کا ادراک، حقائق کی نشان دہی، وقتی مشکلات کا تجزیہ اور معقول حل کی تلاش، نظریاتی بنیادوں تک رسائی کے ساتھ تدریسی عمل کی درستگی کے لیے طریقہ تعلیم کے رموز واسرار سے واقفیت ایک کام یاب استاذ کے لیے از حد ضروری ہوا کرتی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ہم کام یاب تدریس کے کچھ رہنما اصول تحریر کرتے ہیں:

طلبہ کی ذہنی سطح کا اندازہ: کام یاب تدریس کے لیے ضروری ہے کہ معلم متعلقہ درجہ کے طلبہ کی ذہنی سطح، علمی استعداد اور فکری بالیدگی کا باریکی کے ساتھ جائزہ لے اور اجتماعی وانفرادی طور پر طلبہ کی لیاقت کا معائنہ کرنے کے بعد ہی تدریس کا عمل شروع کرے، بسا اوقات استاذ اپنی لیاقت کے مطابق ایسی گاڑھی گفتگو شروع کرتا ہے جو طلبہ کے سروں سے گزر جاتی ہے، طلبہ نہ صرف یہ کہ سبق سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں بلکہ اپنے استاذ سے بد دل بھی ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہدایۃ النحو پڑھاتے وقت اگر شرح جامی کے نکات بیان کیے جائیں اور کتاب العقائد کے درس میں شرح عقائد اور نبراس کی بحثوں کو موضوع سخن بنا لیا جائے تو طلبہ کا حواس باختہ ہونا بعید از قیاس نہیں۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک درجے میں کئی طرح کے طلبہ ہو تے ہیں، بعض ذہین وفطین، بعض درمیانی قسم کے اور بعض نہایت کمزور، لہٰذا تدریس ایسی ہونی چاہیے کہ کمزور سے کمزور طالب علم بھی سبق کو حتی الامکان سمجھ سکے۔ یہی کام یاب تدریس کی نشانی ہے۔

سبق کے لیے خصوصی تیاری: کام یاب تدریس کے لیے متعلقہ سبق کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، سبق چاہے جس قدر سہل ہو لیکن تدریس سے قبل اس سبق کی تیاری کو ماہرین تعلیم نے ضروری قرار دیا ہے، ہمارے اکابر بغیر مطالعہ کے

پڑھانے کو جُرم سمجھتے تھے، وہ چھوٹی سے چھوٹی کتابوں کو بھی مطالعہ کے بعد ہی پڑھایا کرتے تھے، حالاں کہ ان کی علمی لیاقت اور سالہا سال کا طویل تدریسی تجربہ ہی معمولی مضامین کی تدریس کے لیے کافی ہوا کرتا تھا، اس کے باوجود وہ کبھی بھی غفلت سے کام نہیں لیتے تھے۔ سہل پسندی اور غفلت و کوتاہی کے اس دور میں نئی نسل کے فارغین مدارس کے اندر بغیر مطالعہ کے پڑھانے کی بیماری تیزی سے پھیل رہی ہے، حالاں کہ بسا اوقات انہیں اپنی غفلت کا خمیازہ درس گاہ ہی میں بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن اس سے طلبہ مدارس کا جو تعلیمی نقصان ہوتا ہے اس کا کفارہ کہاں سے ادا ہو گا؟ اس ضمن میں ذمے داران مدارس سے بھی بڑے ادب سے گزارش کروں گا کہ اساتذہ کی سب سے بنیادی اور اہم ذمے داری تدریس ہے، تدریس کا عمل بذات خود اس قدر محنت طلب اور مشقت آمیز ہے کہ ایک مدرس کے لیے مختلف فنون کے آٹھ نو اسباق کی تیاری اور پھر اوقات درس میں ان کی تدریس بڑا صبر آزما ہوتا ہے، اس کے بعد اگر استاذ کو مختلف قسم کے غیر تدریسی کاموں میں الجھا دیا جائے تو یقیناً اسباق کے ساتھ استاذ انصاف نہیں کر سکے گا اور اس ناانصافی کے مجرم اساتذہ کے ساتھ مدارس کے ارباب حل وعقد بھی ہوں گے۔

جدید طریقہ تدریس میں سبق کے خصوصی نکات کو تحریری شکل میں نوٹ کر کے لے جانا اور پھر اسی کی روشنی میں طلبہ کے درمیان تقریر کرنے کا رواج عام ہے، عصری تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور لکچرار عموماً سبق کے اہم نکات کی جامع تلخیص اپنی ڈائری میں نوٹ کر کے ہی کلاس میں پہنچتے ہیں اور طلبہ کو بھی یہ نکات نوٹ کراتے ہیں یہ طریقہ بہت مفید اور کارآمد ہے، اس کے برعکس مدارس اسلامیہ میں اب بھی تدریس کا قدیم رواج نافذ ہے، اگر مدارس کی نصابی کتابوں کی تدریس میں بھی اس طریقے کو رائج کیا جائے تو خاطر خواہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، اس طریقہ تدریس میں مرکزی توجہ مضمون کے اہم نکات کو ذہن نشیں کرانے پر بھی ہوتی ہے، جو بہر حال مفید ہے۔

یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ تدریس:

تدریس کا عمل بہت ہی توجہ، یک سوئی، دل جمعی اور دل چسپی کا تقاضا کرتا ہے، جو اساتذہ خالص نصاب مکمل کرنے اور کسی طرح نہ کسی طرح سبک دوشی حاصل کرنے کے لیے اسباق پڑھاتے ہیں ان کی تدریس کام یاب نہیں ہوتی، کام یاب تدریس کے لیے ضروری ہے کہ معلم اوقات درس میں دیگر تمام افکار سے فارغ ہو کر پوری توجہ کے ساتھ درس دے، تاکہ عبارتوں کی باریکیوں تک اس کی نظر پہنچ سکے اور وہ موضوع سے متعلق ان مسائل کو بھی طلبہ کے ذہن ودماغ میں اتار سکے جو کتاب میں بیان نہیں کئے گئے ہیں، تدریس میں عجلت اور نصاب کی تکمیل کے لیے سرسری طور پر درس دے کر آگے بڑھ جانا یقیناً طلبہ کا مستقبل تاریک کرنے کے مترادف ہے۔ اس ضمن میں اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ درس گاہ کا ماحول نہایت پر سکون، صاف ستھرا اور خوش گوار ہو، تنگ وتاریک کمروں میں شدید شور شرابے کے درمیان درس دینا نہایت مشکل کام ہوتا ہے، انتظامیہ درس گاہ کو باوقار، خوش گوار اور آرام دہ بنانے کی طرف خصوصی توجہ دے تو معلم کی دل چسپی برقرار رہے گی اور موثر انداز میں تدریس پر قادر ہو گا۔

اسباق کی پابندی: کام یاب تدریس کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ کو تسلسل کے ساتھ پڑھایا جائے، ایک سبق دوسرے سبق سے اس طرح مربوط ہو کہ طلبہ پچھلے سبق کے اہم گوشوں کو ذہن نشیں رکھیں تاکہ اگلا سبق اسی کی روشنی میں سمجھنا آسان ہو جائے، اسباق کے درمیان بار بار کا ناغہ جہاں درس کی برکتوں کو زائل کر دیتا ہے وہیں طلبہ کے لیے اگلے اسباق میں کئی طرح کے مسائل پیدا کرتا ہے، بلاضرورت سبق کا ناغہ طلبہ کے اندر استاذ کے تعلق سے بددلی بھی پیدا کرتا ہے جو نہایت ہی مضر ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے فارغین اسباق کی پابندی کا خصوصی خیال رکھیں، کسی وجہ سے مکمل سبق پڑھانے سے قاصر ہوں تو چند سطریں ہی پڑھا لیں تاکہ تسلسل برقرار رہے اور تدریس میں بے برکتی پیدا نہ ہو، درس گاہوں میں حاضری کے تعلق سے طلبہ پر بھی کڑی نظر رکھیں، بلا عذر معقول کے اگر کوئی طالب علم درس گاہ سے غیر حاضر ہو تو اسے مناسب فہمائش کریں۔

سبق کا خلاصہ: تدریس کو کام یاب اور موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہر سبق کے اخیر میں استاد اس دن پڑھائے گئے سبق کا خلاصہ نہایت مختصر اور موزوں الفاظ میں بیان کر دے، کیوں طلبہ اگر سبق کی لمبی چوڑی تقریر کو اپنے ذہن ودماغ میں محفوظ نہ کر سکیں تو کم از سبق کے اہم نکات دماغ کی میموری میں محفوظ کر لیں، علاوہ ازیں اگر طلبہ اس خلاصے کو اپنی نوٹ بک میں محفوظ کرنا چاہیں تو آسانی کے ساتھ کر سکیں، اس ضمن اس بات کا ذکر بھی مناسب ہے کہ عموماً ہمارے مدارس کے طلبہ درس گاہ میں حاضر ہو کر محض ایک سامع کی طرح استاذ کی تقریر سن لینے پر اکتفا کرتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کرایے کا کوئی مقرر اپنی طے شدہ تقریر مخصوص لب ولہجے میں سنا رہا ہے اور طلبہ اپنا کرایہ وصول کر رہے ہیں، اس کے بر خلاف عصری درس گاہوں میں اکثر طلبہ کلاس روم میں نوٹ بک بھی ساتھ لے جاتے ہیں جس میں سبق کے ضروری نکات نوٹ کر لیتے ہیں، یہ نوٹ

بک ان کے لیے ایک اہم سرمایہ ہوتا ہے، یہ ایک مفید طریقہ ہے، مدارس کے اساتذہ بھی طلبہ مدارس کو نوٹ بک ساتھ رکھنے کی ترغیب دیں اور سبق کے اخیر میں پانچ منٹ کا وقت انہیں ضروری نکات کو نوٹ کرنے کے لیے ضرور دیں، اس کی دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ استاذ سبق کا خلاصہ یا اہم نکات درس گاہ کے بلیک بورڈ پر لکھ دیں جسے تمام طلبہ نقل کرلیں، یہ طریقہ، تدریس کی کام یابی کے لیے، بہت ہی اہم اور موثر ہے۔

سبق سے متعلق سوالات کی اجازت: ایک کامیاب معلم کی خصوصیت یہ ہوتی ہے اس کی درس گاہ سے طالب علم آسودہ اور مطمئن ہوکر نکلتا ہے، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات اور دماغ میں گردش کرنے والے سوالات کے جوابات استاذ کی تقریر سے ہی مل جاتے ہیں، لیکن بسا اوقات بے توجہی یا ذہنی کمزوری کی وجہ سے طالب علم آسان اور معمولی مسئلے میں بھی الجھ کر رہ جاتا ہے، ایسے طلبہ اپنے اساتذہ سے سوالات کے ذریعہ اپنا ذہنی خلجان دور کرتے ہیں، اس لیے استاذ طلبہ کو پوری کشادہ قلبی کے ساتھ سبق سے متعلق سوالات کرنے کی اجازت دے، طلبہ کے سوالات پر کسی طرح بھی ناراضگی کا اظہار نہ کرے بلکہ ان کے سوالات کو سنجیدگی سے سن کر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرے، بسا اوقات ایسے سوالات بھی آجاتے ہیں جن کا جواب فوری طور استاذ نہیں دے سکتا، اور یہ ضروری بھی نہیں کہ طالب علم کے ہر سوال کا جواب اسی وقت دیا جائے، بلکہ تشفی بخش جواب ذہن میں نہ ہو تو دوسرے دن مکمل تحقیق وتفتیش کے بعد اسی کلاس میں متعلقہ سوال کے جواب پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے، یہ استاذ کے لیے کسی طرح بھی باعث عار نہیں بلکہ دیانت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ استاذ درس گاہ کا ماحول خوش گوار رکھے کہ طالب علم بلا جھجھک اپنی بات کہہ سکے، کبیدگی کی فضا ہرگز پیدا ہونے نہیں دینا چاہیے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض طلبہ درس گاہ میں اساتذہ سے بے سروپیر کے سوالات صرف اس لیے کرتے ہیں کہ دوسرے طلبہ پر ان کی قابلیت اور فوقیت ظاہر ہو اور استاذ ذلیل ورسوا ہوں، ایسے نابکار طلبہ نہ سمجھنا چاہتے ہیں نہ کوئی استاذ انہیں سمجھا سکتا ہے، ایسے طلبہ کا انداز تکلم سائلانہ نہیں بلکہ مناظرانہ ہوتا ہے، اور وہ باضابطہ درس گاہ کو مناظرے کا اسٹیج بنادیتے ہیں، اس طرح کے جری طلبہ کو شدید تنبیہ کی جائے اور باربار کی حرکت پر باہر کا راستہ دکھادیا جائے۔

اساتذہ مخصوص فنون میں مہارت پیدا کریں:

ہمارے مدارس اسلامیہ میں جو نظامِ تعلیم رائج ہے اس کے تحت ایک ہی استاذ کو متعدّد فنون کی تدریس کی ذمے داری دی جاتی ہے، ایک ہی استاذ نحو بھی پڑھاتا ہے، وہی منطق وفلسفہ، قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور ادب وبلاغت کی تدریس کی ذمے داری بھی نبھاتا ہے، اس طرح برسہابرس کی تدریس کے بعد بھی کسی ایک فن میں مہارت حاصل نہیں ہوپاتی، اس سلسلے میں میری ناقص رائے یہ ہے کہ فنون کے لیے اساتذہ مختص کیے جائیں، ایک استاذ اگر فن حدیث کی تدریس میں دل چسپی رکھتا ہے تو اسے کئی سالوں تک حدیث، اصول حدیث اور اس سے متعلق فنون کی تدریس کے لیے منتخب کر لیا جائے، تاکہ فن حدیث کی تدریس میں انہیں اختصاص حاصل ہوجائے، اسی طرح دیگر اساتذہ کو بھی مختلف فنون کی تدریس کے لیے خاص کرلیا جائے تو چند سالوں کے اندر مدرسے میں ماہرین فن اساتذہ کی ایک مضبوط ٹیم پیدا ہو جائے گی اور ادارے کی تعلیمی معیار میں خاطر خواہ ترقی ہوگی۔

آخری بات: مدارس اسلامیہ کے فارغین سے یہ آخری بات کہہ کے اپنی گفتگو ختم کررہا ہوں کہ نسلِ نو کو موجودہ دور کے حالات ومقتضیات کے مطابق تیار کرنا آپ کا منصبی فریضہ ہے، آج کی تھوڑی سی کوتاہی مستقبل کے معماروں کو بے دست وپا بنا سکتی ہے، جس کا خمیازہ فرد واحد کو نہیں بلکہ پوری قوم کو بھگتنا ہوگا، پھر طالب علم جب کل میدان عمل میں آئے گا تو آپ کو اسی طرح کوسے گا جس طرح دیوانِ حماسہ کے ایک شاعر نے اپنے قبیلے والوں کو کوسا ہے، شاعر کہتا ہے:

فهلا اعدونی لمثلی تفاقدو
اذالخصم ابزی مائل الراس انکب
وهلا اعدونی لمثلی تفاقدو
وفی الارض مبثوث شجاع وعقرب

جوان اپنے قبیلے والے کوستے ہوئے کہہ رہا ہے کہ جب ان کو معلوم تھا کہ میری دشمنی بڑے بڑے متکبر آدمی سے ہے تو انہوں نے مجھے تربیت کیوں نہیں دی؟ جب ان کو پتہ تھا کہ زمین پر بچھو سانپ بکھرے پڑے ہیں تو مجھے بتایا کیوں نہیں؟ اور ان سے بچنے کا طریقہ کیوں نہیں بتایا؟ ۔حماسہ کے ان اشعار میں اساتذہ کے لیے پیغام ہے کہ آج دنیا میں نظریاتی، ثقافتی، علمی اور فکری لحاظ سے شکوک وشبہات کے جو بادل چھائے ہیں، اور فکری انتشار، تہذیبی خلفشار اور ثقافتی یلغار کا جو دائرہ پھیل رہا ہے اس سے اپنے طالب علم کو آگاہ کرنا اور ان سے نمٹنے کے تیار کرنا ہماری ذمے داری ہے۔ والله المستعان عليه التكلان۔*

نقد و نظر

نام کتاب :	امتناع النظیر (فارسی/اردو)
مصنف :	امام الفلاسفہ علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمہ
محشی :	علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ
مترجم :	مفتی محمد ناظم علی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ)
اشاعت اول:	۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء
اشاعت دوم :	صفر ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۶ء
صفحات :	۶۶۰ قیمت: درج نہیں
ناشر :	امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر، رام پور روڈ بریلی شریف (یو.پی)
مبصر :	محمد طفیل احمد مصباحی

نبیِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر محال بالذات اور ممتنع عقلی ہے، یعنی تمام صفاتِ کمالیہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل کا پایا جانا شرعاً و عقلاً محال ہے۔ اہلِ علم کی اصطلاح میں اسی کا نام "امتناع النظیر" ہے۔

اس کے برعکس آپ کے مثل و نظیر کو ممکن بالذات و محال بالغیر بتانا، بلفظِ دیگر "امکانِ نظیر" کا قول کرنا درست نہیں۔ امتناعِ نظیر حق و ثابت ہے، جب کہ امکانِ نظیر کا نظریہ مردود و باطل ہے۔ حضرت ملّا علی قاری علیہ الرحمہ مسئلۂ امتناع النظیر کو جمہور اہلِ سنت کا عقیدہ بتاتے ہوئے صاف الفاظ میں لکھتے ہیں:

ومن المعلوم استحالة وجود مثله بعده.

(المعتقد المنتقد، ص:۱۲۶، ممبئی)

ترجمہ: اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کا مثل موجود ہونا محال ہے۔

مولوی اسماعیل دہلوی نے جمہور اہلِ سنت کے مسلّمہ عقائد و نظریات کے خلاف جو خانہ ساز افکار و عقائد وضع کیے ہیں، ان میں سے ایک "امکانِ نظیر" کا عقیدہ بھی ہے جو بہت ساری قباحتوں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب "تقویت الایمان" ص: ۲۸، فصل ثالث میں لکھا ہے: "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکمِ کن سے چاہے تو کروڑوں نبی، ولی اور جنّ و فرشتہ، جبرئیل اور محمد کے برابر پیدا کر ڈالے۔"

یہیں سے علماے کرام کے مابین "امکانِ نظیر و امتناعِ نظیر" پر بحث کا آغاز ہوا۔ سچ پوچھیے تو مسئلہ کچھ نہیں تھا، لیکن اسماعیل دہلوی نے امکانِ نظیر کا شوشہ چھوڑ کر ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دیا اور امتِ مسلمہ کے ایمان و اعتقاد کو متزلزل کرنے کی ناروا کوشش کی۔ اسماعیل دہلوی کے اس باطل عقیدے کا رد جن علماے اہلِ سنت نے فرمایا، ان میں قائدِ انقلاب، مجاہدِ جنگِ آزادی حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی ذاتِ بابرکات سب سے نمایاں ہے۔ وہابیت کے تابوت میں سب سے پہلی اور آخری کیل ٹھونکنے والے آپ ہی ہیں۔ علامہ موصوف نے تقویت الایمان کی یہ عبارت: "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ...." جس سے امکانِ نظیر کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے، کے جواب میں ایک مختصر تحریر "تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان" لکھی اور مضبوط دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ: "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظیر محال اور ممتنع بالذات ہے۔" امتناعِ نظیر کے برعکس امکانِ نظیر کا دعویٰ درست مانا جائے تو اس سے ذاتِ باری تعالیٰ کا کذب لازم آئے گا۔ نیز اسماعیل دہلوی کی یہ عبارت تنقیصِ شانِ رسالت پر بھی مشتمل ہے۔ علامہ کی اس تحریر کے جواب میں اسماعیل دہلوی نے "رسالہ یک روزی" لکھا اور قدرے تفصیل کے ساتھ اپنے اس من گڑھت عقیدے کو واضح کیا۔

جواب الجواب کے طور پر علامہ خیر آبادی نے "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ" تصنیف فرمائی اور اسماعیل دہلوی کے "رسالۂ یک روزی" کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لے کر اس کے مندرجات کے دنداں شکن جوابات ارقام فرمائے۔ زور دلائل اور اہلِ سنت کے موقف کی تائید میں یہ کتاب اتنی لاجواب اور بلند پایہ ثابت ہوئی کہ خیمۂ وہابیت میں سناٹا چھا گیا اور "تحقیق الفتویٰ" کے جواب میں اسماعیل دہلوی یا ان کے متبعین کی جانب سے کوئی جواب یا ردِّ عمل سامنے نہیں آیا اور وقتی طور پر "امکانِ نظیر و امتناعِ نظیر" کا مسئلہ رفع دفع ہو گیا۔

اس کے تقریباً ۲۰/۲۵ برس بعد مولوی حیدر علی رام پوری ثم ٹونکی (تلمیذ اسماعیل دہلوی) تحقیق الفتویٰ کے جواب کے ساتھ میدان میں آئے اور اس دبی ہوئی چنگاری کو شعلۂ جوّالہ بنایا۔ سوال و جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولوی حیدر علی ٹونکی کے اقوال کی تردید میں علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے یہ بلند پایہ محققانہ

رسالہ "امتناع النظیر" تحریر فرمایا جو اس وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ حیدر علی ٹونکی نے اپنے استاذ اسماعیل دہلوی کی حمایت و وکالت میں جو فاسد تاویلیں کر کے ان کو بچانے کی کوشش کی تھی، علامہ خیر آبادی نے ٹونکی صاحب کی ساری نوٹنکیوں اور آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا ہے اور قوی دلائل و شواہد کی روشنی میں ان کے فاسد اقوال و تاویلات کو تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور کر دکھایا ہے۔
حضرت علامہ فضلِ حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کی یہ مایۂ ناز علمی و تحقیقی کتاب (امتناع النظیر) ایک زمانے تک قلمی مسوّدہ کی شکل میں آپ کے تلمیذ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں جون پوری علیہ الرحمہ کی تحویل میں رہی۔
علامہ جون پوری کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کو اللہ تبارک و تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے کہ آپ کی بدولت یہ فارسی کتاب ایک طویل عرصے تک گمنامی کے پردے میں روپوش رہنے کے بعد اگست ۱۹۰۸ء میں جون پور سے پہلی بار منظرِ عام پر آئی۔ اشاعت سے قبل تین قلمی نسخوں کی مدد سے آپ نے اس کی تحقیق و تنقیح فرمائی اور اپنی تین سالہ محنت و کاوش کے بعد ایک خطیر رقم صَرف کر کے اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ نے کتاب کی تسہیل اور تحشیہ کا کام بھی انجام دیا۔ بلا شبہہ دنیائے سنیت پر علامہ سید سلیمان اشرف کا یہ ایک احسانِ عظیم ہے۔ غفر اللہ لہ و نوّر مضجعہ.
کتاب کے آخر میں سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ نے "التماس" کے طور پر جو مختصر تحریر لکھی ہے، اس سے کتاب کی عظمت و رفعت اور اس کی طباعت کا پس منظر بھی معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ آپ لکھتے ہیں:
یہ کتاب (امتناع النظیر) جو اس وقت آپ کے مطالعے میں ہے، اس کا شمار ان نوادرات تصانیف میں ہے جس کے لیے چشمِ اربابِ بصیرت مدت ہائے دراز سے مشتاق تھی اور جس کے پاس اس کا کوئی نسخہ تھا، مایۂ علم سمجھ کر اسے گنجِ مخفی کی طرح نہاں رکھتا تھا فقیر کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتا کہ کاش کوئی نسخۂ کاملہ "رسالہ امتناع النظیر" کا بہم پہنچتا تو اس کی اشاعت اپنے لیے وسیلۂ آخرت بناتا۔ حضرت استاذنا العلام، استاذ الکل فی الکل، مولانا العلام حضرت محمد ہدایت اللہ خاں علیہ الرحمہ سے اس تمنائے دلی کا اظہار کیا۔ حضرت نے اصل مسوّدہ مصنف علیہ الرحمہ کے قلمِ مرقومہ کا عطا فرما کر طبع کی اجازت دی۔ فقیر نے بصرفِ کثیر و محنتِ شاقہ طبع کرانا شرع کیا اور صحتِ طبع میں خاص اہتمام ملحوظ رکھا۔ اچھے اچھے مستعد فضلا اس کے مصحح رہے۔ زائد حصے کی تصحیح خود فقیر نے دوبارہ بکمالِ عرق ریزی کی ہے۔ تین سال کی مسلسل محنت و مشقت کا نتیجہ ہے جو یہ علمی گنجینہ آج آپ حضرات کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ جابجا "حلِ لغات" بھی بخیالِ سہولت کر دیے ہیں، خصوصًا قصیدے کے لغات تو اس طرح حل کیے ہیں کہ شاید تھوڑی عربی استعداد رکھنے والا بھی اس قصیدے سے کافی طور پر متمتّع ہو سکتا ہے۔ (زیرِ تبصرہ کتاب، ص:۶۲۹)
استاذی الکریم محققِ عصر حضرت مولانا محمد ناظم علی مصباحی دام ظلہ، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے رسالہ "امتناع النظیر" کا بڑا خوب صورت اور رواں دواں اردو ترجمہ کر کے ایک بہت بڑی علمی ضرورت کی تکمیل فرمائی ہے۔ مولانا موصوف جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے موقر استاذ، کہنہ مشق مدرّس، عظیم محقق، ایک درجن کتابوں کے مصنف اور سیال قلم کے مالک ایک کامیاب مترجم ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ قلم برداشتہ مضامین و مقالات تحریر کرتے ہیں۔ ترجمہ نگاری میں آپ کو مہارت حاصل ہے۔ عربی اور فارسی کتابوں کا بڑی سرعت اور روانی کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں، اس سے قبل "اخطائے ابن تیمیہ" کا ترجمہ "ابن تیمیہ کی گستاخیاں" کے نام سے کر چکے ہیں، جو تقریبًا سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندی و سنسکرت زبان میں اصطلاحاتِ تصوف سے متعلق علامہ سید میر عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کی فارسی کتاب "حقائقِ ہندی" کا ترجمہ بھی آپ کی نوکِ قلم سے معرضِ وجود میں آچکا ہے، جو عن قریب شائع ہونے والا ہے۔
حاشیہ نور الایضاح، اسلام اور تعددِ ازدواج، اور فنِ اسماء الرجال میں مفتیِ اعظم ہند کی مہارت، اسلام اور تعلیمِ نسواں، اجتہاد و تقلید، آپ کے فکر و قلم کی خوب صورت علمی یادگاریں ہیں۔
عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تصحیح اور نظرِ ثانی کے ساتھ ایک سو نو سال بعد یہ کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ اسلاف شناسی کی یہ ایک بہترین اور قابلِ تقلید مثال ہے۔
اللہ تبارک و تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو جزائے خیر سے نوازے اور جماعتِ اہلِ سنت پر ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

❋❋-☆-❋❋

نعت و نظم

جو وجود ہوتا نہ آپ کا تو طلوعِ نورِ سحر کہاں

جو کمال ان کا بیاں کرے، وہ زباں کہاں، وہ نظر کہاں
وہ نبی بھی ہیں، وہ بشر بھی ہیں، کوئی ان کے جیسا مگر کہاں

یہ زمیں، زماں، یہ مکیں، مکاں، یہ نجوم و شمس و قمر کہاں
"جو وجود ہوتا نہ آپ کا تو طلوعِ نورِ سحر کہاں"

یہ متاعِ عشقِ رسول ہے، یہ نہیں تو جینا فضول ہے
دل و جاں سے بڑھ کے سمجھ اِسے، یہ کہاں ہے، کیسۂ زر کہاں

کہاں اک گدائے حقیر تر، کہاں دو جہان کا تاج وَر
یہ تو بس کرم ہے حضور کا، کہاں میں اور آپ کا در کہاں

مِرے شوقِ دید کا حال یہ، مِری بے بسی کا کمال یہ
مِری تشنگی جو بجھا سکے، مِرے بازوؤں میں وہ پر کہاں

یہ کرم ہے ربِّ کریم کا، ہوں غلام دُرِّ یتیم کا
مِرے ایک قطرۂ اشک سے ارے بڑھ کے کوئی گہر کہاں

کبھی روشنی کے سفر سے بھی، نہ مثال دو، نہ مثال دو
بھلا روشنی کی بساط کیا، مِرے مصطفیٰ کا سفر کہاں

تو ریاضِ ہستی میں دیکھ لے، یہ ابو البشر سے مسیح تک
جو مِرے رسول کی دین ہے، وہ شجر کہاں، وہ ثمر کہاں

یہ نگاہ کیسے اٹھے وہاں، جہاں قدسیوں کے ہوں سر جھکے
ارے بارگاہِ نبی کہاں، یہ گناہ گار نظر کہاں

ہو سنبھل کے دیکھ کے گامزن، اے فریب خوردۂ عصرِ نو
کہ مدینہ ہو کے نہ جائے جو بھلا معتبر وہ ڈگر کہاں

مِرا حامی کوئی نہیں، نہ ہو، وہ شفیعِ روزِ جزا تو ہے
مجھے فکرِ یومِ حساب کیا، مجھے حشر و نشر کا ڈر کہاں

یہ توفیضِ عشقِ رسول ہے، یہ تو صرف ذکرِ رسول کے
کہ مقامِ مدحِ رسول تک ابھی شمسؔ تیرا گذر کہاں

از: شمسی قریشی، جلال پور، امبیڈکر نگر

انوارِ گہر ہیں مصباحی

یہ طائفۂ اربابِ شرف، ملت کے دُرر ہیں مصباحی
سرمایۂ تابِ علم و ادب، یہ گنجِ ہنر ہیں مصباحی
یہ حافظِ ملت کے شیدا، محبوبِ نظر ہیں مصباحی
ہر سمت ضیا ان کے دم سے، یہ نورِ سحر ہیں مصباحی
قرآن و حدیث و سنت کی، تعلیم کی دولت بانٹتے ہیں
غمخوار و رفیقِ ملت ہیں، انوارِ گہر ہیں مصباحی
باطل کو پنپنے دیتے نہیں، رکھتے ہیں نظر ہر سازش پر
یہ مردِ مجاہد، قاطعِ شر، بے خوف و خطر ہیں مصباحی
ہیں آبرو دانش گاہوں کی، یہ فقہ و تصوف کے پیکر
محفوظ ہے دل میں تابِ ہنر، باہوش و خبر ہیں مصباحی
تحریر و خطابت کے ماہر، تدریس کی عظمت سے واقف
خدمت کا اجالا ہر جانب، مہتابِ ظفر ہیں مصباحی
تطہیرِ ذہانت کی نعمت، ملتی ہے نبیؐ کے صدقے میں
بیدار نہ ہو پھر کیوں قسمت، یہ چیزِ دگر ہیں مصباحی
اللہ کی رحمت ہو اِن پر، سینے میں ہے عشقِ شاہِ رُسل
مصروفِ عمل ہیں ہر جانب، باعزتِ سر ہیں مصباحی
احسان ہے ان کا ملت پر، دیتے ہیں مبارکباد سبھی
ہر بزم میں خوشبو جا پہنچی، کیا سنبلِ تر ہیں مصباحی
ہیں منزلِ روشن اور ابھی، تا حشر فریضے دیں گے صدا
آباد رہے یہ جوشِ جواں، دیوانۂ در ہیں مصباحی
اللہ سبھی کو دور رکھے، ہر حرص و ہوس کی لعنت سے
خدمت وہی کر سکتے ہیں جو بیگانۂ زر ہیں مصباحی
یہ مسلکِ اہلِ سنت کے ہمدرد و محافظ ہیں گوہرؔ
یہ اہلِ وفا، یہ اہلِ خرد، یہ اہلِ نظر ہیں مصباحی

از: ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہرؔ مصباحی، الہ آباد

سفرِ آخرت

حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی کا سانحۂ ارتحال اور نمازِ جنازہ

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے مؤقر و سینئر استاذ علامہ اعجاز احمد مصباحی کو آج یہاں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کردیا گیا۔ مرحوم کی نماز جنازہ جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کے وسیع وعریض صحن میں بعد نماز جمعہ مذکورہ جامع مسجد کے امام جمعہ مولانا نعیم اختر مصباحی کی اقتدا میں ادا کی گئی جس میں قرب وجوار ہی نہیں بلکہ دور دراز کے مدارس اسلامیہ کے علوم نبویہ، اساتذہ، علماو مشائخ اور حفاظ و قرا سمیت عوام الناس کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ مرحوم کی تدفین آپ کے آبائی قبرستان اونچی تکیہ میں کی گئی جہاں عوام وخواص کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ واضح رہے کہ استاذالاساتذہ علامہ اعجاز احمد مصباحی کا جمعرات کی شام ۶ر بج کر ۵۳ر منٹ پر انتقال ہوا تھا۔ جس سے پورے قصبہ ومضافات میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی، مرحوم کچھ دنوں سے علیل تھے، مبارک پور کے ایک پرائیویٹ ہاسپٹل میں علاج و معالجہ جاری تھا لیکن گذشتہ منگل کو ان کی تین پوتیوں کی شادی کے موقع پر وہ اپنے گھر محلہ پورہ دیوان میں آگئے تھے اور تبھی سے گھر پر ہی ان کا علاج چل رہا تھا۔ مرحوم الجامعۃ الاشرفیہ کے ایک کہنہ مشق استاذ اور ماہر علم وفن ہونے کے ساتھ ہی ایک سادہ لوح اور خوش طبع، بااخلاق انسان تھے، آپ ۱۵ جون ۱۹۴۰ کو مبارک پور کے ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے، قرآن شریف کا ناظرہ اپنے والد مولانا عنایت اللہ کے زیر نگرانی مکمل کیا۔ پرائمری سے لیکر درس نظامیہ تک کی مکمل تعلیم دارالعلوم اشرفیہ سے ہی حاصل کی، ۱۹۶۰ میں دستارفضیلت سے سرفراز کیے گئے، ان کے اساتذہ میں الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، فتاویٰ رضویہ کے مرتب حافظ عبدالرؤف بلیاوی، مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی، علامہ غلام جیلانی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، قاضی شرع مولانا محمد شفیع اعظمی، قاری محمد یحیٰ اعظمی اشرف العلما حضرت حامد اشرف اشرفی جیلانی جیسے جید علماے دین شامل ہیں۔ فراغت کے بعد ۲۰ر اپریل ۱۹۶۰ سے ۳۰ نومبر ۱۹۷۳ تک مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد مئو میں پرنسپل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور یکم دسمبر ۱۹۷۳ سے تادمِ حیات الجامعۃ الاشرفیہ میں تدریسی خدمات و دیگر اہم ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھاتے رہے۔ مرحوم کے انتقال کی خبر پاتے ہی گھر پر تعزیت پیش کرنے والے علماو مشائخ اور عوام وخواص کی آمد کا ایک سلسلہ جاری ہوگیا تھا جو آخری وقت تک چلتا رہا۔ آپ کے وارثین میں اہلیہ سمیت دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

شہزادۂ حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے اظہار تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمہ بڑی خوبیوں کی حامل شخصیت تھے، جامعہ اشرفیہ کے مختلف مسائل اور معاملات میں بڑی ذمہ داری کے ساتھ اپنے کاموں کوانجام دیتے تھے، ان کے وصال سے صرف ان کے اہل خانہ ہی کے لیے رنجیدہ و افسردہ نہیں بلکہ ملک اور بیرون ملک میں دین کی خدمات انجام دے رہے ان کے سیکڑوں تلامذہ اور فیض یافتہ گان بھی غم واندوہ سے چور ہیں اور ان کے لیے قرآن خوانی، مجالس تعزیت اور ایصال ثواب کی محفلیں قائم کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں انتہائی اعلیٰ اور بلند ترین مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر وشکر کی توفیق دے۔

جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات علامہ محمد احمد مصباحی، پرنسپل مفتی محمد نظام الدین رضوی نے کہا کہ مولانا اعجاز احمد مصباحی ایک ذمہ دار اور باصلاحیت عالم دین تھے۔ سادگی، پاکیزگی اور نیک خوئی، ملنساری آپ کا نمایاں وصف تھا، سالانہ وششماہی امتحانات کی کلیدی ذمہ داریوں کو آپ بحسن وخوبی سرانجام دیتے تھے۔ پرچوں کی فوٹو کاپی اپنی نگاہوں کے سامنے انتہائی دیانت داری کے ساتھ کراتے تھے۔ آپ ذمہ دار استاد ہونے کی حیثیت سے تلامذہ اور اپنے معاصرین علما میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضور حافظ ملت جلالۃ العلم علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کے معتمد ترین شاگر تھے۔ عرس حافظ ملت کمیٹی کے آپ اہم ذمہ دار تھے۔ اور مہمانوں کے کھانے کے تعلق سے انتہائی اخلاص وللہیت کے ساتھ چاول وغیرہ کا انتظام فرماتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ دامت برکاتہم سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

اہم مسائل میں وہ حضرت عزیز ملت سے مشورہ فرماتے تھے۔

ماہنامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہاکہ علامہ اعجاز احمد مصباحی انتقال سے جہاں جامعہ اشرفیہ کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے وہیں ملت اسلامیہ ایک بزرگ عالم دین سے محروم ہوگئی ہے۔آپ سرکار مفتی اعظم ہند کے مرید تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔

جنازہ میں شریک ہونے والوں میں مفتی زاہد علی سلامی ،ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز احمد، نبیرہ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا ناظم علی مصباحی ، مولانا نفیس احمد مصباحی، حاجی محمد مظہر انصاری ،حاجی عبدالمجید انصاری، چیئرمین نگر پالیکا ڈاکٹر شمیم احمد، ماسٹر فیاض احمد عزیزی ، مولانا محمد محبوب عزیزی، حافظ و قاری نور الہدیٰ مصباحی گھورکھپوری ۔حاجی سلیمان اختر شمسی، محمود اختر ایڈوکیٹ ،حاجی عبد القدوس ، محمد شکیل ، محمد راشد سمیت اعظم گڑھ و مختلف اضلاع سے آئے کثیر تعداد میں طلبہ، اساتذہ اور عوام الناس شریک تھے۔

رپورٹ روزنامہ انقلاب، از: رحمت اللہ مصباحی

حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی علیہ الرحمۃ
عزیز المساجد میں تعزیتی نشست

مولانا اعجاز احمد مصباحی ایک باصلاحیت عالم دین، خلیق وملنسار اور سادگی کے حامل انسان تھے،آپ ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اوقات کی پابندی اور اصول وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے تعلیمی و دفتری امور کی انجام دہی بحسن و خوبی انجام دیا کرتے تھے۔نام ونمود سے کوسوں دور رہ کر پوری زندگی دین و دانش کی گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار جامعہ اشرفیہ کے صدرالمدرسین اور شعبۂ افتا کے صدر مفتی محمد نظام الدین رضوی نے جامعہ کی عزیز المساجد میں منعقدہ ایک تعزیتی تقریب سے مولانا اعجاز احمد مصباحی کی حیات وخدمات پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کیا۔ مفتی صاحب نے مزید کہاکہ مرحوم مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد میں ۱۳ سال تک صدرالمدرسین کی حیثیت سے اپنے منصبی فرائض کو کماحقہ انجام دیتے رہے بعدازاں جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور اس طرح سے آئے کہ یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ ۴۴سال تک آپ نے بڑی محنت و مشقت کے ساتھ اشرفیہ کی خدمت کی۔ تعلیمی اوقات کے علاوہ بھی کام کرتے۔ امانت و دیانت کا خاص خیال رکھتے۔ ۵۷ ؍سالہ دینی وتدریسی خدمت اور عرس حافظ ملت کی کامیاب نظامت آپ کی زندگی کے بڑے روشن پہلو ہیں۔ طلبہ کے اسباق بند ہوجانے کے بعد بھی وہ بالعموم مدرسہ تشریف لاتے اور سالانہ و ششماہی امتحانات سے متعلق کاموں کی دیکھ بھال کرتے۔ بڑھاپے میں بھی آپ نے جوانوں جیسے کام انجام دیے۔ مرحوم کی وفات سے جامعہ اشرفیہ اپنے ایک عظیم اور مخلص استاذ سے محروم ہوگیا۔

جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات علامہ محمد احمد مصباحی نے اپنے تعزیتی بیان میں کہاکہ مولانا اعجاز احمد مصباحی جید عالم دین، باصلاحیت مدرس، جامعہ کے سنیئر استاذ، حافظ ملت کے چہیتے شاگرد اور حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ آپ نے پوری زندگی درس وتدریس میں گذاری، اور ہزاروں باصلاحیت تلامذہ پیدا کیے، جو آج مختلف مقامات پر درس و تدریس اور دعوت وتبلیغ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مزید کہاکہ مرحوم انتہائی خلیق، کریم النفس اور سادہ مزاج انسان تھے۔ وقت کی پابندی اور اصول پسندی آپ کی زندگی کا اہم اور نمایاں پہلو ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور حافظ ملت علیہ الرحمۃ سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ۴۴ ؍سال تک آپ نے اشرفیہ کی بے لوث خدمات انجام دیں اور اس کی تعمیر وترقی میں ہر طریقے سے اپنا تعاون پیش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔ واضح رہے کہ قرآنی خوانی کرکے مولانا مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا اور پسماندگان کو تعزیت پیش کرنے کے ساتھ صبر شکر کی تلقین کی گئی۔

اس موقع پر مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مفتی نسیم القادری، مولانا طفیل احمد مصباحی، مولانا عبداللہ مصباحی، مولانا حبیب اللہ ازہری، مولانا توفیق احسن برکاتی، ناظم اعلیٰ حاجی سرفراز احمد، حاجی سلیمان اختر شمسی، ماسٹر فیاض احمد عزیزی، مہتاب پیامی، ماسٹر محمد ندیم، محمود اختر ایڈوکیٹ، مختار احمد علیگ، محمود اختر نعمانی، مرحوم کے صاحبزادگان شکیل احمد اور محمد راشد کے علاوہ کثیر تعداد میں اساتذہ وطلبہ موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ روزنامہ انقلاب

آہ! استاذ الشعرا حضرت نازاںؔ فیضی گیاوی انتقال فرما گئے

ممتاز ادیب و شاعر حضرت نازاںؔ فیضی گیاوی مورخہ ۹/ مئی ۲۰۱۷ء بروز منگل ساڑھے ۱۲/ بجے شب میں پٹنہ کے ایک مقامی نرسنگ ہوم میں انتقال فرما گئے۔ وہ گذشتہ کئی سالوں سے عارضۂ قلب میں مبتلا تھے اور اپولو ہاسپٹل رانچی سے مسلسل علاج کرا رہے تھے۔

حضرت نازاں فیضی ایک کہنہ مشق شاعر، ایک پختہ قلم نثر نگار اور صائب الرائے تنقید نگار تھے، انھیں نثر اور نظم دونوں اصناف پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ ۱۹۸۵ء کے عشرہ میں کلکتہ سے شائع ہونے والے اخبار ''آزاد ہند'' میں مسلم پرسنل لا کے دفاع میں کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر انجم قدر کی ہفوات گوئی کا حد درجہ علمی اور منطقی مواخذہ کیا، جسے رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے بے حد پسند فرمایا تھا۔

حضرت نازاںؔ فیضی کا خاندانی تعلق خانقاہ بیت الانوار گیوال بیگھہ گیا، بہار کے مورثِ اعلیٰ انوار عالم حضرت مولانا الشاہ نور الہدیٰ قادری گیاوی علیہ الرحمہ سے تھا، حضرت نازاںؔ فیضی حضرت شاہ نور الہدیٰ کے برادر اکبر حضرت صوفی الحاج محمد امیر الدین زمیندار موضع محمد پور گیا کے حقیقی پوتے تھے۔ نازاںؔ فیضی اپنی افتادِ طبع میں بے حد شفیق، مخلص، عجز و انکسار کے مالک، نماز پنجگانہ کے پابند اور اپنی نجی زندگی میں سرتاپا تقویٰ شعار انسان تھے۔ نمازِ جنازہ خانقاہ بیت الانوار، گیوال بیگھہ، کے وسیع میدان میں ان کے صاحب زادے مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد فروغ القادری رکن ورلڈ اسلامک مشن لندن نے پڑھائی، پر ہجوم شرکاے جنازہ نے اپنی اشک بار آنکھوں سے اپنے محبوب شاعر اور دین وسنیت کے دفاع میں ہر لحہ اپنی متاعِ لوح و قلم کے ساتھ تیار رہنے والے عظیم عاشقِ رسول کے لیے دعاے مغفرت کی۔

حضرت نازاں فیضی گیاوی کو ان کی وصیت کے مطابق ان کے عمِ گرامی استاذ العلما، شیخ طریقت حضرت مولانا الشاہ فیض الہدیٰ قادری علیہ الرحمہ کے قدموں میں ۹/ مئی بروز بدھ بعد نمازِ مغرب سپردِ خاک کیا گیا۔

واضح رہے کہ حضرت نازاں فیضی گیاوی کے نعتیہ اشعار اور اہم حساس موضوعات پر ان کے مضامین اہل سنت کے تمام موقر جرائد و رسائل خاص کر ماہ نامہ کنز الایمان دہلی، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، اور ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آج پوری جماعت اپنے ایک عظیم شاعر و ادیب، ایک عظیم قلم کار اور عظیم انسان سے محروم ہو گئی، ربِّ کریم ان کی قبر پاک پر رحمتوں کے پھول برسائے اور اپنی خصوصی مغفرت سے نوازے۔ آمین۔

اہلِ سنت و جماعت کے ممتاز علما و مشائخ نے ان کے وصال پر گہرے دکھ درد کا اظہار کیا اور تعزیت پیش کی، جن میں سے حضرت علامہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں قبلہ بریلی شریف، عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور حضرت مولانا محمد انس نورانی، کراچی، پاکستان، علامہ قمر الزماں اعظمی، انگلینڈ، علامہ شاہد رضا نعیمی، لندن، علامہ بدر القادری، ہالینڈ، علامہ قاری محمد اسماعیل مصباحی، انگلینڈ، علامہ ارشد مصباحی، انگلینڈ، علامہ سید محمد عرفانی میاں انگلینڈ، مولانا سید محمد صباح الدین چشتی حضرت مولانا سید رضا علی چشتی قادری اجمیر شریف، مولانا محمد اقبال مصباحی انگلینڈ کے اسماے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

ابرِ رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

اسیرِ غم:- محمد شاہد رضا ازہری، گیا

رحلت سے قبل کہی ہوئی آپ کی نظم درج ذیل ہے:

قبر میں

یوں تو مجھ کو قضا لے گئی قبر میں — میرے شامل گئی زندگی قبر میں
دیکھ کر یہ نکیرین کہنے لگے — سونے دو ہے غلامِ نبی قبر میں
جب فرشتوں کا اصرار بڑھنے لگا — تو پڑھی میں نے نعتِ نبی قبر میں
چاند جو آمنہ کا مدینے میں ہے — ہے اسی چاند کی چاندنی قبر میں
پھول چادر سے ظاہر تو ہو ہی گیا — عام انساں نہیں ہے ولی قبر میں
فاتحہ کے لیے بھی تم آئے نہیں — دیکھ لی دوست کی دوستی قبر میں
وہ تو کہیے کہ جھم جھم برسنے لگی — آمدِ مصطفیٰ کی خوشی قبر میں
ہے لحد غنچہ و گل سے آراستہ — خلد کی بھی ہے اک پنکھڑی قبر میں
مجمعِ عاشقاں ہے سمندر نما — جا رہا ہے کوئی جنتی قبر میں

کچھ نہ پوچھو خوشی جب نظر آ گئی
مجھ کو طیبہ کی نازاںؔ گلی قبر میں

***

صدائے بازگشت

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ...

حضرت گرامی، محبی الکریم جناب مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ.................السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ تعالیٰ مزید خیر و برکات سے نوازے۔ آمین۔

آپ نے اس خاکسار کو اس کی حیثیت سے زیادہ نواز دیا، میں اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ میری بابت آپ اپنے دل میں اس قدر والہانہ قربت و محبت رکھتے ہیں، آپ کے حسنِ ظن اور التفاتِ لطیف کا بوجھ اٹھا نہیں پا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ایسے اخلاقِ کریمانہ کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

عرصے بعد براہِ راست شمارۂ جون دستیاب ہوا، کرم، نوازش۔ رسائل و اخبار میں برابر پڑھتا رہتا ہوں کہ فلاں جلسے میں آپ نے شاندار تقریر کی، گو سننے کا موقع کبھی نہیں مل سکا تھا، یہاں ایک صاحب نے اپنے موبائل پر آپ کی تقریر سنائی جو تذکرۂ دعوتِ اسلامی اور بریلی سے متعلق ہے، سبحان اللہ۔ کیا روانی، کیا بے ساختگی اور کیا سلاست ہے، لہجے کی پختگی اور شگفتگی سے کون متاثر نہیں ہو سکتا۔ زبان و بیان کا بانکپن ہو یا رقم طرازی کی بالیدگی، بفضلہ تعالیٰ دونوں نعمتیں حاصل ہیں جو آپ کو تمام زندگی کامیابی عطا کرتی رہیں گی۔ انشاء المولیٰ۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ... اللہ کرے زورِ بیاں اور زیادہ...

اچانک مصباحیان گرامی پر نظم لکھنے کا خیال آگیا، جسے "ماہ نامہ اشرفیہ" کے لیے بھیج رہا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ مصباحیوں کی شان میں اس نوعیت کا کلام کم ہی لکھا گیا ہو۔ یہ بھی عرض ہے کہ گذشتہ شمارے میں حوالہ کے طور پر "صنفِ نعت اور شعرائے نعت" کا آپ نے بہت ہی مختصر ذکر کیا تھا، کیا اسی کو تبصرے سے تعبیر کر لیا جائے یا ابھی باقاعدہ تبصرے کا ارادہ برقرار ہے۔

ابھی ابھی روزنامہ انقلاب میں متعلّم جامعہ اشرفیہ محمد قمر رضا دربھنگوی کا ایک مکتوب پڑھا، جس میں انھوں نے طلبۂ مدارس کو مشورے سے نوازتے ہوئے دورانِ سفر انتہائی صبر و سکون اور ضبط و برداشت سے کام لینے کی ہدایت کی ہے، جس پر عمل کرتے ہوئے ہر قسم کی احتیاط ضروری ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب علیہ الصلاۃ والتسلیم کے صدقے میں طلبائے مدارس اور عام مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

حاضرینِ بزم کی خدمت میں سلام و نیاز کہیے۔ طالبِ دعا

سید شمیم احمد گوہر مصباحی،

سجادہ نشیں خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ، نیا حجرہ، چک، الہ آباد

محبت کا عالمی ورثہ تاج محل اور یوگی حکومت

مکرمی! برطانوی سیاح ایڈورڈ لیئر نے ۱۸۷۴ء میں کہا تھا کہ 'دنیا کے باشندوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک وہ جنہوں نے تاج محل کا دیدار کیا اور دوسرے جو اس سے محروم رہے۔ محبت کی لازوال نشانی، عجائبات عالم میں شمار ہونے والا عالمی تہذیبی ورثہ، شاعروں، مصوروں اور فنکاروں کے تخیلات وافکار اور وجدان کا مرکز، سیاحوں کو محوِ حیرت کرنے اور اپنے جلو میں ہزار داستان کو سمیٹنے والا مغل فن تعمیرات کا نمونہ تاج محل ایک بار پھر ہندوتوا ایجنڈہ کا شکار ہو گیا۔ اترپردیش کی یوگی حکومت نے اسے ہندوستانی تہذیب وثقافت کا حصہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ گذشتہ دنوں یوپی حکومت نے اپنا سالانہ بجٹ پیش کیا۔ اس میں ریاست کے مذہبی اور ثقافتی مراکز اور شہروں کی ترقی اور فروغ کے لیے 'ہماری ثقافتی وراثت' کے نام سے ایک علیحدہ فنڈ مختص کیا گیا ہے۔ حیرت انگیز طور پر اس فہرست میں ہندوستان کی عظیم ثقافتی اور سیاحتی وراثت تاج محل کو شامل نہیں کیا گیا۔ اترپردیش کے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ کا کہنا ہے کہ مغل بادشاہ شاہجہاں کا تعمیر کردہ تاج محل ہندوستانی ثقافت کی نمائندگی نہیں کرتا ہے۔ 'ہماری ثقافتی وراثت' کی فہرست میں ایودھیا، بنارس، متھرا اور چترکوٹ جیسے ہندو مذہب کے اہم مراکز کو جگہ دی گئی ہے اور اس کے فروغ کے لیے ۲۰/ ارب روپے سے زیادہ کی رقم منظور کی ہے۔ یوگی حکومت نے تاج محل سمیت کئی ایسی عمارتوں اور مقبروں کو بھی ثقافتی ورثے کے منصوبے سے الگ رکھا ہے جن کی تعمیر مسلم سلاطین نے کرائی ہے یا پھر وہ ہندتوا تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتے ہیں۔ سنجیدہ حلقوں میں یوگی حکومت کے اس اقدام کو ہندوتوا کے ایجنڈے سے متاثر فیصلہ قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی جا رہی ہے۔ اس سے قبل بھی ہندتوا دیوی دیوتاؤں سے جوڑ کر بھگوادھاری تنظیموں نے تاج محل کے وجود پر سوال کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے مگر باضابطہ حکومتی سطح پر تاج محل کی نگہداشت اور ترقی کے لیے ایک پھوٹی کوڑی کا بھی اہتمام نہ کرنا یوپی حکومت کے منشا کو واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ تاج محل کے دیدار کے لیے دنیا بھر سے ہر سال کم وبیش ۳۰/ لاکھ سیاح آتے ہیں جس سے حکومت کو کروڑوں کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس طرح حکومت کے ذریعہ تاج محل کو نظر انداز کیے جانے سے نہ صرف سیاحت سے ہونے والی کروڑوں کی آمدنی میں کمی آئے گی بلکہ تاج محل کو بھی نقصان پہنچے گا۔ شہری آلودگی کے سبب تاج محل کی خوبصورتی یونہی ماند پڑ رہی ہے۔ اس کی سفیدی پر حرف آرہا ہے اور دھیرے دھیرے اس کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مئی ۲۰۰۷ء میں پارلیمنٹ میں ایک رپورٹ پیش کی گئی تھی جس میں بتایا تھا کہ آگرہ میں بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی سے تاج محل کے جگمگاتے سفید سنگ مرمر کو

نقصان پہنچ رہا ہے۔ آلودگی کے سبب اس تاریخی یادگار کی حقیقی خوبصورتی متاثر ہو رہی ہے۔ رپورٹ میں تاج محل کی خوبصورتی بچانے اور سنگ مرمر کو اس کی اصل شکل میں برقرار رکھنے کے لیے اسے صاف کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ جولائی ۲۰۰۷ء میں ہی تاج محل کو دنیا کے سات عجائب میں شامل کیا گیا تھا۔

تاج محل کو مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی بیوی ممتاز محل کی یاد میں بنوایا تھا جو مغلیہ طرز تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ یہ ایرانی، ترک، ہندوستانی اور اسلامی فن تعمیرات کے اجزا کا انوکھا ملاپ ہے۔ ۱۹۸۳ء میں تاج محل کو اقوام متحدہ کے ادارہ برائے تعلیم، سائنس اور کلچر (یونیسیف) نے عالمی ثقافتی ورثے میں شامل کیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے عالمی ثقافتی ورثہ کی جامع تعریف حاصل کرنے والی، بہترین تعمیرات میں سے ایک بتایا گیا۔ تاج محل کو ہندوستان کے اسلامی فن کا عملی اور نایاب نمونہ بھی کہا جاتا ہے۔ تاج محل ۱۶۳۲ء سے ۱۶۵۰ء تک یعنی ۲۵/ برس میں مکمل ہوا۔ اس کی تعمیر میں ساڑھے چار کروڑ روپے صرف ہوئے اور بیس ہزار معماروں اور مزدوروں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی ہے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی ۱۳۰/ فٹ اور بلندی ۲۰۰/ فٹ ہے۔ عمارت کی مرمری دیواروں پر رنگ برنگے پتھروں سے نہایت خوبصورت نقاشی کی گئی ہے۔ مقبرے کے اندر اور باہر قرآن شریف کی آیات نقش ہیں۔ عمارت کے چاروں کونوں پر ایک ایک مینار ہے۔ اس کی پشت پر دریائے جمنا بہتا ہے اور سامنے کی طرف کرسی کے نیچے ایک حوض ہے۔ جس میں فوارے لگے ہوئے ہیں اور مغلیہ طرز کا خوبصورت باغ بھی ہے۔ اس مقبرے کے اندر ملکہ ممتاز محل اور شاہجہان کی قبریں ہیں۔

تاج محل کو ہندوستان کے ثقافتی ورثے میں شامل نہ کرنا ملک کی جمہوری روایات سے روگردانی ہے۔ دراصل یوگی آدتیہ ناتھ مغلیہ سلاطین سمیت تمام مسلم حکمرانوں کو ہندوستانی نہیں سمجھتے۔ آر ایس ایس، بجرنگ دل اور ہندو یوا واہنی جیسی ہندوتوا تنظیموں کا خیال ہے کہ مسلم حکمراں ہندوستان کی مٹی میں رچنے بسنے کے باوجود یہاں کے باشندے نہیں تھے بلکہ انہوں نے باہر سے آکر ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔ موہن بھاگوت اور یوگی آدتیہ ناتھ سمیت دیگر ہندتووا لیڈروں نے بی جے پی کے برسر اقتدار آنے کے بعد کئی بار برملا اظہار کیا تھا کہ بھارت کو آٹھ سو سالہ غلامی سے آزادی ملی ہے مسلم حکمرانوں سے انہیں اس قدر نفرت ہے کہ بی جے پی کی اکثریت والی نئی دہلی میونسپل کارپوریشن نے قومی راجدھانی میں اورنگ زیب روڈ کا نام تک تبدیل کر دیا۔ ہندوستان بھر میں موجود مسلم حکمرانوں کی یادگاریں نشانے پر ہیں۔ تعلیمی نصاب میں تاریخ کو توڑ موڑ کر پیش کیا جا رہا ہے، مسلم بادشاہوں کی انصاف پروری اور انسان دوستی پر فرقہ پرستی کا رنگ چڑھا کر ہندو راجاؤں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانی ثقافتی تاریخ کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی اور چھیڑ چھاڑ کے بعد بھی ملک کا سنجیدہ طبقہ نہ صرف خاموش ہے بلکہ وہ بے دست و پا نظر آرہا ہے۔ حکومت کا یہ طرز عمل یقیناً کسی ہٹلر شاہی کی آمد کی آہٹ ہے۔ تاج محل کو ہندوستانی وراثت کی فہرست میں جگہ نہ دینے اور اس کے لیے رقم مختص نہ کرنے کے فیصلے پر یوگی حکومت سے یہ مطالبہ کیا جانا چاہیے کہ وہ تاج محل کو خود مختار کر دے تاکہ وہ اپنی آمدنی سے اپنا حسن نکھار سکے۔ یقیناً یوگی حکومت اس کے لیے ہرگز تیار نہ ہوگی۔ لیکن تاج محل کی آمدنی سے اپنے لیے عیش و عشرت کا سامان مہیا کرانا اور خود تاج محل کو نظر انداز دینے کے عمل کو کیا کہا جائے گا، اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

از: صابر رضا ربر مصباحی

آپ اچھا آدمی بننا چاہتے ہیں یا بڑا؟

مکرمی! آج ہم میں سے ہر انسان بڑا آدمی بننا چاہتا ہے اور بڑا آدمی بننے تک اسے کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور کیسے کیسے جتن کرنے پڑتے ہیں یہ تو وہی بتا سکتے ہیں جنہیں آج بڑا سمجھا جاتا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ آج ہر آدمی پر بڑے بننے کی جتنی دھن سوار ہے، اگر اس میں سے نصف فیصد بھی اچھا آدمی بننے کی دھن سوار ہوتی تو آج ہمارا معاشرہ بیمار نہ کہلاتا اور معاشرے کا امن وامان غارت نہ ہوتا۔ یہاں پر بس ایک ہی بات کہی جا سکتی ہے کہ اچھا آدمی بننے کا سودا انہی خوش نصیبوں کے سروں میں سمایا ہوتا ہے جنہیں بارگاہ الٰہی سے خاص توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ ہمارے دین ہمیں اصولاً اچھا آدمی بنانا چاہتا ہے، بڑا آدمی نہیں کیوں کہ دنیا کے لیے مطلوب انسان اچھا آدمی ہے، بڑا نہیں۔ اچھے آدمی کی فطرت جو کام اس سے کروا سکتی ہے وہ بڑے آدمی سے نہیں کروا سکتی۔ اس ضمن میں یہ مت بھولیے کہ اچھا آدمی ہی صحیح معنوں میں بڑا آدمی ہوتا ہے اور جو اچھا آدمی نہیں بن سکتا وہ کبھی بھی بڑا نہیں بن سکتا۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ آدمی تو بہت بڑا ہے مگر اس کا اندرون بہت چھوٹا ہے بلکہ بونا ہے۔ آنکھ اگر بینا ہو تو اِدھر اُدھر دیکھیے، آپ کو بہت سے بڑے بڑے آدمی نظر آئیں گے مگر ان میں اتر تھوڑی دیر قیام کر کے دیکھ لیجیے تو ان سے آپ کو گھن آنے لگے گی۔ ہم میں سے نہ جانے کتنے ہیں کہ جن کی ذات پر شخصیت کا خول چڑھا ہوا ہے مگر جس وقت یہ خول اترتا ہے تو منظر نامہ بڑا کریہ نظر آتا ہے اور ماحول ایسا تعفن زدہ ہو جاتا ہے کہ ناک پر کپڑا رکھتے ہی بنتی ہے اور انسان راہ فرار تلاش کرتا نظر آتا ہے۔

عقلا کہتے ہیں کہ انسان کی اصل شخصیت وہ نہیں ہے جو عوام میں ہوتی ہے اور جو مجلسوں اور دوستوں میں ہوتی ہے بلکہ انسان کی اصل شخصیت وہ ہے جب وہ تنہائی کے عالم میں ہوتی ہے یعنی انسان کی شخصیت باطن سے سنورتی

ہے، باطن سے نکھرتی ہے اور باطن سے بام عروج پر پہنچتی ہے اور ایسے ہی شخصیات کی محبت اور مقبولیت اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اس سے ایک نکتہ سمجھ میں آیا کہ اچھا آدمی دلوں کے تخت پر بیٹھ کر راج کرتا ہے اور بڑا آدمی صرف زبانوں پر سفر کرتا رہتا ہے اور یوں ایک دن تاریخ کے قبرستان میں ہمیشہ کے لیے دفن ہوجاتا ہے اور ایسا دفن ہوتا ہے کہ پھر کوئی زبان اس کے ذکر سے تر نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی آنکھ نم۔ ہم نے بہت سے بڑے ایسے بھی دیکھے ہیں کہ جنہیں اچھا سمجھا جاتا تھا لیکن جب ان کی شخصیت سے پردہ سرکا تو سارا یقین، اعتماد، محبت، اور عقیدت ایک دم سے متزلزل ہوگئی اور ایسے لوگوں کے نام سے ہی ہمارے مزاج کا جغرافیہ بگڑنے لگا۔ ایک بات ہمیشہ پلو سے باندھ لینا چاہیے کہ ہم بظاہر کتنے ہی اچھے ہوں ،لوگوں میں ہمارے نام کا غلغلہ بلند ہورہا ہو، ہمارے نظریات کا طوطی بولتا ہو اور ہم شہرت و عظمت کا جھولا جھول رہے ہوں لیکن اگر ہمارا باطن ہمارے ظاہر کے مطابق نہیں ہے اور ہمارا حال ہمارے قال کی تائید نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ ایک دن ہماری اصل شناخت لوگوں کو بتا دیتا ہے اور حالات کچھ ایسی سمت اختیار کرلیتے ہیں کہ سات پردوں کے اندر بھی چھپی ہوئی ہماری برائی یعنی ہماری اصل شخصیت سامنے آجاتی ہے اور یوں ہماری عزت، ذلت میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ ایک حدیث نبوی میں بھی یہ بات کہی گئی ہے، فی الوقت مجھے اس کا اصل متن تو یاد نہیں البتہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرنے سے قبل انسان کا باطن آشکار کر دیتا ہے اور لوگوں پر اس کی اصل حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے۔ حد تو اس وقت ہوجاتی ہے کہ جب اس کی شخصیت کے غلیظ اور بدبودار پہلوئوں کو کوئی من چلا اور دِل جلا تحریری شکل میں سامنے لے آتا ہے اور بڑے انسان کی شخصیت کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم بڑا آدمی بننے کے بجائے اچھا آدمی بننے کی کوشش کریں اور جب ہم اچھے بن جائیں گے تو خود بخود اللہ تعالیٰ ہمیں بڑا بنادے گا اور ہمیں بڑا بننے کے لیے سو سو جتن کرنے، منافقت کرنے، باطن کو چھپانے اور تکلف کے ساتھ زندگی گزارنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یاد رکھیے، بڑا آدمی عموماً تکلف کے ساتھ جیتا ہے جب کہ اچھا آدمی فطری زندگی کے مزے لیتا ہے آیئے ایک بار اپنے اندر چھپے بیٹھے انسان سے پوچھ لیں کہ ہمیں فطری زندگی پسند ہے یا غیر فطری زندگی یعنی ہم اچھا آدمی بننا چاہتے ہیں یا بڑا۔

از: صادق رضا مصباحی، ممبئی

مسلمان ڈھکوسلہ بازوں سے ہوشیار رہیں اور...

مکرمی! .... سلام مسنون

اخباری خبروں کے مطابق امسال یعنی جون ۲۰۱۷ء کی عید الفطر کئی معنوں میں یادگار عید کی حیثیت سے تاریخ میں یاد کی جائے گی، اس رمضان المبارک میں جہاں امریکہ کے صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے اپنے ملک کی برسوں پرانی روایت افطار پارٹی اور عید پارٹی کے اہتمام کو ختم کیا وہیں ہمارے ملک کی ایک بہت بڑی ریاست اترپردیش کے وزیر اعلیٰ نے بھی عید گاہ جاکر مسلمانوں کو عید کی مبارک بادی دینے کی قدیم روایت کو ختم کردیا، وہ عید گاہ نہیں گئے اور نہ ہی عید گاہ جاکر مسلمانوں کو عید کی مبارکبادی دینے کی جھوٹی تمنا کا اظہار کیا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ وہ اور پردھان منتری جی اخباری بیان میں مبارکباد پیش کردیے۔ امسال کی عید سے ٹھیک چار دن پہلے متھرا ای. ایم. یو. ٹرین میں کچھ لوگوں نے کھنڈاولی، بلبھ گڑھ (فرید آباد) کے رہنے والے ۱۵/ سالہ جنید سمیت چار بھائیوں پر چاقوؤں سے حملہ کیا گیا جس میں جنید کا انتقال ہوا اور اس کے والدین کی عید کی خوشیوں کو ان کے جوان بیٹے کے جنازہ کے ساتھ قبرستان میں دفن کر دیا گیا، جس کے لیے ملک کے مختلف علاقوں میں کالی پٹی باندھ کر نماز عید الفطر ادا کی گئی اور لوگوں نے ان کے والد کے ساتھ ہمدردی و یکجہتی کا اظہار کیا، ممبئی وغیرہ میں بڑے دھوم دھام سے عید منائی گئی، لوگوں نے یکجہتی اور بھائی چارہ کا مظاہرہ کیا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شریعت کے مطابق چاند کی رویت و شہادت بھی ہر مکتب فکر کو وقت پر نصیب ہوئی جس کی وجہ سے عید کے اعلان کے تقدم اور تاخر کا معاملہ بھی ٹل گیا، امسال کی عید اس لیے بھی یاد کی جائے گی کہ کئی دہائیوں سے ظلم و جبر کا نشانہ بنے ہوئے فلسطینیوں کے لیے کبھی مکمل متحد نہ ہونے والے عرب حکمراں قطر پر پابندی لگانے میں بہت کم مدت میں متحد نظر آئے امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کا سعودی عرب میں پرتپاک استقبال کیا گیا سوشیل میڈیا پر جاری ویڈیو کے مطابق تقریب استقبالیہ میں ڈونالڈ ٹرمپ کی طبیعت کا بھرپور خیال کیا گیا، اترپردیش کے مئوضلع کے سرائے لکھی علاقہ کی مسجد میں ایک ستر سالہ ضعیف عبادت گزار کو ۲۳/ جون کی رات گولی ماردی گئی، شاید وہ معتکف بھی ہوں، مذکورہ واقعات کے علاوہ بہتوں واقعات ہیں جس کی سماعت سے اہل دل کے کلیجے پاش پاش ہوجاتے ہیں اور یہ پوچھنے پر مجبور ہیں کہ اتحاد کے نام پر ہونے والی مسلم دوستی اور خیر اخواہی کے دعویدار انسانی قتل وغارت اور نفرت کی وجہ سے بہ رہی خون کی نالیوں کے بہاؤ کو کب تک بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہیں گے، علاقائی و عالمی انسان دوستی کا دعویٰ کرنے والی تنظیمیں کب تک آنکھ مچولی کھیلتی رہیں گی۔ بہر حال عام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ڈھکوسلہ بازوں سے ہوشیار ہوں اور اپنی نظر منزل پر رکھتے ہوئے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ملک کا ہر ذرہ محفوظ رہے، خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ مولیٰ کریم ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین، بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

از: محمد اختر علی واجد القادری

میرا روڈ ممبئی

خیر و خبر

مبارک پور میں فیضانِ مدینہ کا سنگ بنیاد

بفضلہٖ تعالیٰ مبارک پور میں ابتدا ہی سے اہلِ سنت کی غیر سیاسی عالمی تحریک دعوت اسلامی کا کام جاری ہے، مبلغین دعوت اسلامی بڑی محنت سے دین و سنیت اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مقامی اور بیرونی حضرات بھی اپنے اپنے طور پر اس تحریک کو کامیاب کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ مبارک پور میں اہلِ سنت و جماعت کا عظیم ادارہ جامعہ اشرفیہ ہے۔ اس ادارے کے ذمہ داران بھی اس کی حمایت اور نصرت میں رہتے ہیں، اس تحریک کا ایک شعبہ ”فیضانِ مدینہ“ بھی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تحریکِ صلاۃ کے قافلے روانہ کرنا، عوام اور نوجوانوں کو دین و سنیت اور اعمالِ صالحہ یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی جانب متوجہ کرنا ہے۔

صد قابلِ مبارک باد ہیں محترم المقام الحاج قمر الحق لال کنواں لال چوک مبارک پور جنھوں نے چودہ بسوا سے کچھ زیادہ زمین ”فیضانِ مدینہ“ کے لیے عنایت فرمائی۔ یہ زمین محلہ آزاد نگر، مبارک پور میں ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ لاکھوں روپے بھی عطا فرمائے، کافی دنوں سے اس پر سنگ بنیاد کا پروگرام تھا مگر ہر کام کا ایک وقت ہے رضا۔ ۲۶/ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ /۲۱/ جولائی ۲۰۱۷ء کو باضابطہ سنگ بنیاد کا پروگرام ہوا، پہلی اینٹ شہزادۂ حافظ ملت حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ مصباحی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ اس کے بعد صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبلغ اہلِ سنت حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی، حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مفتی عماد الدین مصباحی جلال پوری، مولانا امتیاز احمد مصباحی ٹانڈوی، ڈاکٹر محب الحق گھوسوی وغیرہ نے اپنے ہاتھوں سے سنگ بنیاد میں حصہ لیا اس موقع پر دیگر اساتذۂ اشرفیہ اور طالبانِ علومِ نبویہ بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ان تمام حضرات نے بھی سنگ بنیاد میں حصہ لیا۔

سنگ بنیاد کے بعد حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے دعا فرمائی، آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے رب العالمین اس عالمی تحریک پر اپنا فضلِ خاص فرما، یا اللہ! یہ نیک بندے تیرے محبوب ﷺ کے دین اور ان کی سنتوں کو دنیا بھر میں پھیلا رہے ہیں انھیں مزید عزم و حوصلہ عطا فرما۔

بعد میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ اور دیگر علما بھی تشریف لائے اور انھوں نے بھی سنگ بنیاد میں حصہ لیا اور بارگاہِ الٰہی میں فیضانِ مدینہ کی عمارت کے لیے دعا فرمائی، اس پروگرام میں نگران کابینات حضرت سید وثیق احمد عطاری اناؤی، نگراں کابینہ محترم ابو طلحہ عطاری ٹانڈوی اور ڈویژن نگراں جناب محمد آفتاب عطاری مبارک پوری، خاص معاونین میں الحاج قمر الحق مبارک پوری، الحاج ریاض احمد جلال پوری، الحاج محمد ہاشم، الحاج عبد الولی، منتظمین میں خالد کمال، حاجی احسان احمد، منظور فیصل، حاجی محمد جابر عطاری، قاری غیاث الدین، حاجی نور الحق، حاجی بشیر احمد، قمر الہدیٰ، ابو عبیدہ حسن، محمد شاداں، ابو الوفا اور جملہ مبلغین و محبین دعوت اسلامی مبارک پور وغیرہ بھی موجود تھے۔

عالمی تحریک دعوتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام محلہ آزاد نگر میں بعد نمازِ عشاء ایک خصوصی اجتماع بسلسلہ سنگ بنیاد فیضانِ مدینہ کا انعقاد کیا گیا جس میں ماہ نامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بے شمار مبارک بادیوں کے مستحق ہیں اس غیر سیاسی عالمی دعوتِ اسلامی کے سب سے بڑے ذمہ دار مبلغ اہلِ سنت پیرِ طریقت ابوبلال حضرت مولانا شاہ محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ، جنھوں نے اس تحریک کے پیغام سنیت کو دنیا کے دو سو ملکوں سے زیادہ مقامات تک پہنچایا، خاص بات یہ ہے کہ مدنی چینل کے ذریعہ یہ سب کچھ بہت آسانی سے ہو رہا ہے، آپ نے مزید فرمایا: اسی کے ساتھ مبارک پور میں صد قابلِ مبارک باد ہیں محترم المقام الحاج قمر الحق مبارک پوری جنھوں نے چودہ بسوا سے زیادہ زمین عطا فرمائی اور مزید لمبی رقم بھی اللہ تعالیٰ انھیں اور دیگر معاونین اور مبلغین کو اپنے خصوصی فضل و کرم سے سرفراز فرمائے، آمین۔ ان شاء اللہ اب دعوتِ اسلامی کے مبلغین کا حوصلہ بلند رہے گا اور وہ یوں ہی دعوت و تبلیغ کے ساتھ تعمیر و ترقی کے بھی بڑے بڑے کام کرتے رہیں گے۔ انھوں نے مزید کہا کہ عاشقِ رسول مولانا محمد الیاس عطار قادری امیرِ دعوتِ اسلامی کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں بلکہ آج تو ان کا فیضان پوری دنیا میں جاری و ساری ہو گیا ہے،

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے یہ بھی کہا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کل بھی دعوتِ اسلامی کے ساتھ تھا، آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مبلغِ دعوتِ اسلامی سید وثیق عطاری اناؤ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہم کو اپنے جینے کا انداز بدل کر دعوتِ اسلامی کے سانچے میں ڈھلنا پڑے گا تبھی ہماری دنیا و آخرت محفوظ رہ پائے گی۔ دوسرے بڑے مبلغ ابو طلحہ عطاری ٹانڈوی نے کہا کہ اولاد کے بگڑنے کا سبب ماں باپ خود ہوتے ہیں، اگر اپنے بچوں کی خبر گیری کے ساتھ ہی انھیں صحیح و غلط کا درس دیتے رہیں تو پھر کیا مجال کہ کوئی بچہ لہو و لعب کی دلدل میں پھنس جائے، انھوں نے والدین کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی نسل کو غلط روی سے بچانے کے لیے اپنے گھروں میں لگنے والے گندے ٹی وی چینل کو ہٹا کر مدنی چینل لگالیں، ورنہ آپ کے بچے آپ کے ماتھے پر کلنک لگاتے رہیں گے جس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ انھوں نے لوگوں سے یہ بھی اپیل کی کہ مبارک پور میں یہ جو فیضانِ مدینہ بننے جا رہا ہے، اس سے آپ اپنے بچوں کو منسلک کر دیں تاکہ دوسری طرف انھیں دیکھنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اجتماع کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، اویس عطاری، ابو عبیدہ حسن عطاری، حیات محمد، قمر الہدیٰ اور قاری غیاث الدین نعتیں پیش فرمائیں۔ اس موقع پر محمد آفتاب عطاری، حاجی قمر الحق، حاجی محمد جابر اور شاداں رضوی عطاری وغیرہ خاص طور سے موجود تھے۔ از: محمد محبوب عزیزی، منیجر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور

جامعہ اسلامیہ میراروڈ ممبئی میں جشن ولادت امام احمد رضا

" حدیث و قرآن ، شعر و سخن، فقہ و اصول فقہ ،فلسفہ و منطق ، ہیئت و ہندسہ اور اسی طرح سینکڑوں علوم فنون کے ماہر و امام اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جان و شانِ ایمان، عشق رسالت مآب ﷺ میں سرشار ہونے والی شخصیت کا نام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ہے، ایک ہزار سے زائد کتابوں کے مصنف، سفیر عشق رسول، پاسبان اہل سنت، مجدد دین و ملت، عرب و عجم میں یکساں مقبولیت حاصل کرنے والے، حق گوئی و بے باکی میں منفرد الشال شخصیت کا نام امام اہلسنت ہے"

اس طرح کا اظہار خیال جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ میراروڈ ممبئی کے بانی و صدر اعلیٰ حضرت مولانا محمد اختر علی واجد القادری نے اپنے صدارتی بیان میں کیا، مذکورہ ادارہ میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے ۱۶۶/ واں یوم ولادت کے موقع پر ۱۲/ واں شاندار جشن بنام "جشن ولادت امام احمد رضا" منعقد کیا گیا، اس میں ادارہ کے طلبہ، اساتذہ، اور قرب و جوار کے ائمہ مساجد تشریف لائے۔

تفصیلات کے مطابق مورخہ ۵/ جولائی ۲۰۱۷ء کی صبح نو بجے جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ کے ہال میں حضرت علامہ محمد مثنی اشرفی کی سرپرستی اور حضرت مولانا محمد اختر علی واجد القادری کی صدارت میں " جشن ولادت امام احمد رضا" کا آغاز ادارہ کے ایک طالب علم کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، بارے دیگر طلبہ و علما نعت و منقبت پیش کیے ،علماے کرام میں مولانا شمیر الدین رضوی (رتناگیری) نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمیں اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے اور خود کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کے ساتھ دوسروں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے اگر ہم یہ کرنے میں کامیاب رہے تو امام احمد رضا کی بارہ گاہ میں ہماری طرف سے یہ بہتر خراج عقیدت ہے ، مولانا شمیم اختر رضوی (میراروڈ) نے اپنے بیان میں کہا کہ اہل ہند کو ناز کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ جیسی شخصیت کو یہاں پیدا فرمایا اور امام احمد رضا نے ہمارے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرما کر احسان فرمایا ہے۔

ادارے کے ناظم اعلیٰ مولانا اختر علی واجد القادری نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ طلبہ جو تعلیم حاصل کرنے کے مقصد سے یہاں آئے ہیں میں ان کا استقبال کرتا ہوں کیوں کہ ان کے لیے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں، موصوف نے کہا کہ امام احمد رضا اپنی زندگی کی آخری سانس تک کتابوں سے اپنا تعلق نہیں توڑے تھے ، ہمیشہ پڑھنا اور دوسروں کو پڑھانا ان کا مشن تھا ،اس لئے ان کی یاد میں شریک ہونے والے طلبہ کو چاہئے کہ یوم ولادت اعلی حضرت کے جشن میں عہد کریں کہ جہاں بھی رہیں گے زندگی بھر پڑھتے پڑھاتے رہیں گے ،اگر اس میں کامیاب ہیں تو یاد رکھیں دنیا کی ہر کامیابی آپ کی قدم چومے گی اور اگر صرف کورس پورا کرنا پر ہی اکتفا کیے تو یاد رکھیے نصاب کی تکمیل چراغ جلانے کے مانند ہے ،اس سے فائدہ حاصل کرنے سے فائدہ ہوتا ہے ۔اخیر میں صلاۃ و سلام کے بعد سرپرست اجلاس کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔ شرکاے اجلاس میں قاری غفران رضا رضوی ، مولانا مظہر حسین رضوی سعدی ، مولانا فاروق رضوی نوری ، حافظ مقصود ، حافظ عبد السبحان، حافظ اختر رضا ،حافظ ثاقب رضا کے علاوہ بڑی تعداد میں دیگر حضرات بھی تھے۔